

أَسَالِبُ التَّبْلِیْغَاتِ  
١٩٤٨ء

# دعوتِ تبلیغ کی شرعی حیثیت

مع

## اصلاحِ اُمت کا طریق کار

از

حضرت مولانا مفتی سید عبدالحق صاحب ندوی  
بہتم مدرسہ عربیہ حقانیہ فقیرا پورہ ضلع سرگودھا

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۰-انارکلی لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# دعوتِ تبلیغ کی شرعی حیثیت

مع

## اصلاحِ اُمت کا طریق کار

از

حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ  
ہفتم مدرسہ عربیہ حقانیہ قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا

اور

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ  
کے طریقِ دعوت و تبلیغ کی توضیح و تشریح

از

مفتی اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ایڈیشن اسلامیات ۱۹۰۰ - انارکلی - لاہور

## اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

اشاعت ثانی : ستمبر ۱۹۸۵ء  
 باہتمام : اشرف برادران ستمبر الرحمن  
 مطبع : مطبعہ فی اللطیفة العسکریة  
 قیمت آفٹ پریس کروڑوں : روپے

منے کے پتے :-

ادارۃ اسلامیات : ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور  
 دارُ الاشاعت : اردو بازار۔ کراچی ۷  
 ادارۃ المعارف : ڈیکنانہ دارالعلوم کراچی ۷  
 مکتبۃ دارالعلوم : کراچی ۷  
 مدرسہ عربیہ حقانیہ : ساہیوال ضلع سرگودھا

## ترتیب :-

- صفحہ
- ۴ (۱) دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت  
 از  
 مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی
- ۷۵ (۲) اصلاح امت اور اس کا طریق کار  
 از  
 مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی
- ۱۱۷ (۳) دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں ہمارا طرز عمل  
 از  
 حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حضرت مولانا محمد سعید اللہ خاں صاحب کا راقی	۷	۱۷	علماء و مشائخ کی ذمہ داری	۳۱
۲	تقریر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب رضاعی	۹	۱۸	اصلاح اعمال کا صوبائی طریقہ	۳۱
۳	پیش لفظ	۱۱	۱۹	حضرت تھانوی کی تبلیغی مساعی	۳۲
۴	دعوت تبلیغ کے آداب و احکام	۱۷	۲۰	طالبان احکام کا دستور العمل	۳۳
۵	دعوت و تبلیغ کی روح	۱۹	۲۱	ایک اٹوٹھا نظام اصلاح و تبلیغ	۳۷
۶	دعوت الی اللہ کے غیر بڑے آداب	۱۹	۲۲	اصلاحی نصاب	۳۸
۷	ایک ضروری تشبیہ	۲۱	۲۳	علم دین کے فرض عین اور	۳۸
۸	ایک اہم اصول	۲۱	۲۴	فرض کفایہ کی تفصیل	۳۸
۹	آداب دعوت و تبلیغ کا مکملہ	۲۲	۲۵	فرض عین	۳۹
۱۰	امت پر فرضیہ دعوت و تبلیغ	۲۲	۲۶	فرض کفایہ	۴۰
۱۱	تبلیغ دارشاد میں بتدریج بقدر استطاعت	۲۷	۲۷	انسداد و نقد ارتداد	۴۰
۱۲	امر بالمعروف میں تفصیل	۲۵	۲۸	والا نام حکیم الامت تھانوی	۴۱
۱۳	ایک ضروری ادب	۲۵	۲۸	بعض تبلیغی رسائل	۴۱
۱۴	جس جگہ مخاطب کے ماننے کا	۲۹	۲۹	نقل خط و قدر خاتماہ امدادیہ	۴۲
۱۵	محمان غالب ہو اسی جگہ پر برائی	۳۰	۳۰	مسلحین کی نینچا ہونی کا تعین	۴۳
۱۶	سے روکنا فرض ہے۔	۳۱	۳۱	مکاتیب و مدارس کا قیام	۴۴
۱۷	اثر نہ ہونے کا سبب	۳۲	۳۲	معلم نماز کا فقرہ	۴۵
۱۸	دعوت الی الخیر کے مدارج	۳۳	۳۳	قانون و ارثت کی طرف توجہ دلانا	۴۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴	تبلیغ احکام کے لئے دستور العمل	۲۸	۵۰	اصلاح امت کا طریق کار	۷۵
۳۵	تبلیغ خاص	۵۲	۵۱	تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت	۷۶
۳۶	ایک نہایت ہی اہم ضروری اصلاح	۵۶	۵۲	حضرت مولانا محمد ایسا کاندھلوی	۷۶
۳۷	تبلیغی ذریعہ کی نافعیت اور	۵۶	۵۷	کے مختصر حالات	۷۷
۳۸	افادیت	۵۷	۵۳	علاقہ سمیات میں اصلاحی کام اور	۷۷
۳۹	مولانا سید محمد رضا صاحب بخاری	۵۸	۵۴	اجرا کا مکتب	۷۸
۴۰	کے افادات اور تبلیغ کا کیونسا	۵۸	۵۴	دوسرا ج اور کام کے رخ کی تبدیلی	۸۰
۴۱	اصلاح کا آسان طریقہ کار	۶۱	۵۵	اہل علم کے لئے ایک خاکہ	۸۲
۴۲	ماحول کا اثر	۶۲	۵۶	حضرت تھانوی کی سرپرستی میں عمومی	۸۲
۴۳	تبلیغی دوروں کی شرعی حیثیت	۶۳	۵۷	اصلاح کا طریق کار	۸۲
۴۴	باطنی تربیت حاصل کرنے کا اور	۶۳	۵۷	عمومی اصلاح کا دوسرا طرز	۸۲
۴۵	کیفیت دوروں میں شرکت کا حکم	۶۴	۵۸	دینی ضروریات کی تعلیم کا کام اور	۸۲
۴۶	تعلیم و تعلم کے سنت طریقے	۶۶	۵۹	آسان طریقہ	۸۶
۴۷	حقوق العباد کا لحاظ	۶۸	۵۹	قابل توجہ اہم شکایات	۹۱
۴۸	حضرت شیخ الحدیث مولانا	۶۸	۶۰	توجہ طلب گزارشات	۹۲
۴۹	زکریا صاحب رطلہ کا تائیدی ارشاد	۶۹	۶۱	اصلاحات کے بارہ میں ضروری گزارشات	۹۳
۵۰	اطاعت والدین	۷۰	۶۲	حضرات اکابر کی اصلاحات	۹۶
۵۱	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ارشاد	۷۰	۶۳	عورتوں کی تبلیغ	۱۰۰
۵۲	ازالہ ریشہ	۷۱	۶۴	مدارس اور خانقاہوں کی افادیت	۱۰۰
۵۳	حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کا طرز کار	۷۲	۶۴	اور ضرورت	۱۰۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۶۵	عربی مدارس اسلام کے قلعے ہیں	۱۰۶	۶۸	حضرت عمرؓ کی خلافت میں	
۶۶	مدارس عربیہ کے نظام تعلیم و تربیت کا تعارف	۱۰۶	۶۹	عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۱
۶۷	دین کی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے دوسرے مقامات پر جاننا اور دین کی تعلیم حاصل کرنا	۱۱۰	۷۰	میں تعلیم کا اہتمام	۱۱۲
				دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں ہمارا طرز عمل	۱۱۷

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب عظیم

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانویؒ

## مکتوب گرامی

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب امت برکاتہم کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے تبلیغ میں جانے کی اجازت چاہی اس کے جواب میں حضرت مولانا نے یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں حدود شرع میں رہتے ہوئے تبلیغی سفر میں جانے کی اجازت فرمائی اور بھی متوسلین یا غیر متوسلین میں سے جو حضرات اجازت طلب کرتے ہیں تو ان کو انہیں حدود کی پابندی کے ساتھ اجازت مرحمت فرماتے رہتے ہیں۔

محکم مبدہ:

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تبلیغی سفر یا اجتماع و گشت میں اس طرح جائیں کہ گھر پر جو ذریعہ معاش ہو، اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی موجود ہو، تاکہ سلسلہ معاش خراب نہ ہو جائے۔ مثلاً کاشتکار اپنی کھیتی باڑی اور اپنے جانوروں کے گھاس دانے کے لئے کوئی معتبر شخص چھوڑ کر جائے، اسی طرح تاجر کے لئے ہے کہ اس کی دوکان کو سنبھالنے والا کوئی شخص موجود ہو، یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ بیماری یا موت کی حالت میں بھی تو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں سلسلہ معاش خراب

حضرت مولانا شاہ محمد ایاس صاحب کا نذہ صلی کا

ادشاد گرامی

”حضرت تھانویؒ سے منتفی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور

ان کے آدمیوں سے، اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفی نہ رہا جاوے

ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل۔“

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”تعلیم حضرت حکیم الامتؒ کی ہو، اور حلق کار میرا ہو۔“

”تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات کے جوابات“ ۱۳۷

## تقریظ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رضویہ مفتی جامعہ شرفیہ - لاہور

احقر نے پورا رسالہ پڑھا ہے۔ تبلیغی کاموں میں کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔ سب کو ٹھنڈے دل سے کوتاہیوں کی اصلاح کر لینی چاہیے، یا گمشدہ شروع کر دینی چاہیے۔ کہ ایک دن کوتاہیوں کی تلافی کا بھی آجائے گا۔ ورنہ کم سے کم کوتاہی کو کوتاہی تو سمجھیں کہ کبھی توفیق ہو جائے۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے طریقہ ہائے تبلیغ کو قائم و دائم رکھیں۔ اور کوتاہیوں سے پاک کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

گو تقسیم عمل کے قاعدہ سے ہر ایک کسی ایک کام میں مشغول ہوگا۔ مگر دوسرے طریقوں کو عبث تو نہیں کہہ سکتا۔ وہ بھی کام ہے۔ یہ بھی، خدا تعالیٰ دونوں کو عمدہ طریقوں کی توفیق دیں۔

جمیل احمد تھانوی ۲ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ  
مفتی جامعہ شرفیہ لاہور

ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حالات تو غیر اختیاری ہیں جن کا بندہ مکلف نہیں ہوتا، اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب جائیں تو گھر پر رات کے لئے کوئی دوسرا شخص محرم معتبر موجود ہو اور دن میں باہر کے کام کے لئے کوئی آدمی ہو، تاکہ رذرائہ کی بازار وغیرہ کی ضرورت میں تنگی نہ ہو۔

قرض لے کر جانا نہ ہو، اگر کچھ تھوڑا سا قرض لینا بھی ہو تو اس کی ادائیگی کی صورت و ذریعہ اپنے پاس بظن غالب موجود ہو، تاکہ قرض خواہوں کے تقاضے سے ذلت و شرمندگی نہ ہو۔

جن کی ملازمت ہو، ان کی بخوشی اجازت ہو چھ دن کی رخصت ہو یا گھر چھ دن کو کہہ کر جائے اتنے دن میں ہی واپسی ہو تاکہ گھر والوں کو تشویش نہ ہو، اور اگر اتفاقاً رگنایا روگنا معمولی چند دن کے لئے ہو تو گھر پر ڈاک وغیرہ سے اطلاع کر دی جائے تاکہ گھر والوں کو انتظام کی تکلیف و پریشانی نہ ہو۔

علماء اور علم دین کی خدمت کو سب سے اعلیٰ و افضل و اقدم خدمت سمجھیں۔ علما کی عظمت قلب میں بہت زیادہ ہو، اور تبلیغ کا کام نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع و اعتراض نہ ہو۔

محمد صبح اللہ عفی عنہ  
جلال آباد ضلع مظفرنگر۔ یو۔ پی انڈیا

## پیش لفظ

تَعَمَّدًا وَنَصَلًا عَالِي رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حمد و صلوة کے بعد یہ ناکارہ مولف رسالہ ہذا عرض رسالہ ہے کہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ تمام ملل و ادیان میں سے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو حسب ارشاد ربانی 'وَكذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا' اسی طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت۔ صفت اعتدال سے منصف فرما کر امت متوسطہ و معتدلہ بنایا گیا ہے۔ اور ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے بچا کہ اس کے لئے اعتدال کا راستہ تجویز فرمایا گیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو امت محمدیہ کی ایسی خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ہر حکم میں ہر لحاظ سے صفت اعتدال کو قائم رکھا گیا، اور افراط و تفریط سے حفاظت کا پورا پورا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ شریعت محمدیہ کے احکامات و ہدایات پر بغور نظر کرنے سے اس امت کی یہ خصوصیت اچھی طرح واضح ہو جاتی۔ اور نمایاں نظر آنے لگتی ہے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں امت مرحومہ اپنے عمل میں اس خصوصیت کو نظر انداز کر رہی ہے۔ اور مسلمانوں کے تقریباً ہر کام میں حدود سے تعدی اور تجاوز اور افراط و تفریط کا ظہور و نمود ہوتا جا رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ دین کا شدید ہی کوئی شعبہ ایسا رہ گیا ہو جو اس افراط و تفریط اور تجاوز و حدود سے محفوظ رہا ہو۔ ورنہ ہر شعبہ میں ہی تعدی اور تجاوز حدود کا یہ مرض عام طور پر دیکھنے میں آ رہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی

کا

## ارشادِ گرامی

سوال کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع حرم کے درست ہے؟  
جواب: مردوں کا تبلیغ کو جانا اور اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام ہی نہ کرنا کہاں تک درست ہے؟

جواب: تبلیغ دین ہر مسلمان پر بقدر اس کے مبلغ علم کے لازم ہے لیکن تبلیغ کی عرض سے سفر کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ صرف ان لوگوں پر جو تبلیغ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور مگر محتاجت سے بھی فارغ ہوں تبلیغ کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ فرض و لازم ہر مسلمان کے ذمہ نہیں ہے۔ اور عورتوں کا تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا اور نہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں تنہا تبلیغ کے لئے سفر کریں۔ عورت کو بغیر حرم کے سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ حج فرض کے لئے بھی بغیر حرم کے جانا جائز نہیں تو صورت تبلیغ کے لئے کیسے جاسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ و دہلوی

کفایت المنقح جلد ۲ صفحہ ۱۰

منجملہ دینی شعبوں کے تبلیغ و دعوت بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ مگر علم دین کی کمی اور حدود تبلیغ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شعبہ بھی افراط و تفریط سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

چنانچہ بعض لوگوں نے تو تبلیغ و دعوت میں اس قدر افراط سے کام لیا کہ اس کو ہر حال میں اور ہر شخص کے لئے فرض قرار دے دیا، اور بعض نے اس کی فرضیت و اہمیت سے ایسا صرف نظر کیا کہ اپنے تابع فرمان اور زیر نگران افراد کی اصلاح کی طرف سے بھی بالکل بے اعتنائی اور بے توجہی کر لی۔ غرضیکہ افراط و تفریط دونوں قسم کی کوتاہیوں، دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی پائی جا رہی ہیں۔ اگرچہ تفریط یعنی حد سے کمی کر دینے کی کوتاہی زیادہ عام ہو رہی ہے جس کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور عام و خاص نصیحت میں بہت ہی کمی ہوتی جا رہی ہے جس کا تدارک نہایت ضروری ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی افراط سے بڑھ جانے اور غلو کا بھی بہت سے مقامات میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ صورت تو کبرت سناٹے آتی رہتی ہے کہ جن لوگوں کو ایک طرز خاص کے ساتھ دینی کاموں میں کسی قدر حصہ لینے کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے۔ یا تبلیغ میں چلہ وغیرہ دینے کا موقع میسر آ جاتا ہے، جن میں سے بعض لوگ اپنی اس معمولی دینی جدوجہد اور محدود سعی و محنت کو اتنا اہم اور ہر شخص کے لئے اس کو اس قدر ضروری سمجھتے گتے ہیں کہ دین کے دوسرے تمام شعبوں، درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ کی قدر و اہمیت ان کے دل میں یا تو بالکل باقی ہی نہیں رہتی یا اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ دوسرے تمام دینی شعبوں میں کام کرنے کی حیثیت و ضرورت ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی افراط و غلو ہی کی ایک قابل اصلاح صورت ہے۔

حدیث ہے کہ جن اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام نے دین کے مختلف متعدد شعبوں میں بڑی بڑی اور گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور انہوں نے اپنی تمام عمریں ہی دینی خدمات میں صرف فرما دی ہیں، اور وہ حضرات شب و روز اشاعت دین اور خواص و عوام کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ ایسے حضرات پر بھی اسی طرز مخصوص اور نظام خاص کو لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرز خاص پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک تصور کیا جاتا ہے۔ اور دلوں سے گزر کر زبانوں پر یہ اعتراض آ جاتا ہے کہ دین مٹ رہا ہے اور یہ حضرات تبلیغ نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لوگ تبلیغ و دعوت کی حقیقت اور اس کی حدود سے ناواقف ہیں۔ اس وجہ سے وہ ایک نظام خاص ہی کو تبلیغ دین کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں، اور جو شخص اس نظام خاص پر کاربند نہ ہو اس کو یہ لوگ فرض تبلیغ کا تارک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی غیر واجب نظام عمل اور طریق کار کو اتنی اہمیت دے دینا کہ اس کو مقصود سمجھ لیا جائے یا کسی نامور بہ کے انجام پانے کی منت منت اور متعدد جائز صورتوں میں سے کسی ایک خاص صورت کو سب کے لئے لازم سمجھ لینا۔ حدود سے تجاوز کی وجہ سے اس کو افراط کا مصداق بنا دینا ہے۔ جس کی قباحت واضح اور اس کا غلو ہونا ظاہر ہے امت مروجہ کے مزاج معتدل کے جس طرح تفریط مخالف ہے کہ دعوت و تبلیغ کی کمی سے اسلامی زندگی میں تعطل اور بد عملی راہ پاتی ہے۔ اسی طرح افراط بھی اس امت کے مزاج اعتدال کے موافق نہیں ہے۔ اس افراط و غلو سے نظام امت میں خلل واقع ہو کر اختلاف و انتشار کا دروازہ کھلتا اور دینی خدمات میں حرج و خنہ واقع ہونے لگتا ہے جیسا کہ بعض مقامات کا حال معلوم ہوا ہے کہ وہاں، افراط و غلو اور حدود کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے



باہمی اختلاف و افتراق کا ایسا ناخوش گوار ماحول بن گیا کہ اس نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی اور دینی کاموں میں حرج واقع ہونے لگا کیونکہ کسی دینی خدمت کے متسد و جائز طریقوں میں سے کسی ایک ہی طرز اور طریقہ پر اس کو مقصد بنا کر حد سے زیادہ زور دینے اور غلو کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ دینی حلقوں میں آپس ہی میں اختلاف و انتشار پیدا ہو کر اتحاد امت اور نظم ملت پارہ پارہ ہونے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے جائز طریقہ پر دینی خدمت سے انقباض اور گرانی کا ہونا۔ افراط اور غلو ہونے کے ساتھ عدم اخلاص کی بھی نشانی ہے جیسا کہ مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ:

”د اخلاص کی نشانی یہ ہے کہ اگر اسی کام کو دوسرے جائز طریقہ پر کرنے لگے۔ تو خوشی ہو کہ ہمارا ہاتھ بٹایا اور گرانی ہو اور ناگواری ہو کہ یہ دوسرے طریقہ پر کام کیوں شروع ہو گیا، تو یہ عدم اخلاص کی نشانی ہے۔“

ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے حضرت مولانا ابراہیم صاحب ہرودی مدظلہ العالی۔ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ذیل ہر وقت پیش نظر رکھنے، اور زیادہ سے زیادہ توجہ کے قابل بنے۔ ارشاد فرمایا کہ:

”دین کے ہر خادم کو چاہیے کہ دین کے دوسرے خادموں کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے اسی طرح ہر دینی ادارہ کے بارہ میں ہر جماعت کے خدام دین کو دوسری جماعت کے خدام دین کے بارہ میں بدگمانی اور حسد اور بغیبت و اعتراض کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور فریق سمجھنے سے سب فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ دین کے اس شعبہ میں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے جو علمی یا اعتقادی افراد و تفریط پایا جاتا ہے۔ وہ قابل اصلاح ہے۔ اور اس کی اصلاح کی ضرورت کا احساس عام طور پر دین حلقوں میں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب مدظلہ العالی نے اس ضرورت کا احساس فرما کر اشرف الہدایات لاصلاح الشکرات احکام تبلیغ کیا ہیں۔ ایک نہایت جامع اور مفید رسالہ تالیف فرما کر شائع فرمایا ہے اس میں بڑی تفصیل و بسط کے ساتھ تبلیغ کے احکام اور فضائل کا بیان فرمایا گیا ہے جزاھم اللہ خیراً۔

بایں ہمہ دعوت و تبلیغ کے آداب احکام اور اس کے اصول و حدود کی زیادہ سے زیادہ اشاعت و تبلیغ کی ضرورت کا احساس عام ہونا جا رہا ہے خصوصاً تبلیغ کے طریق کار کی شرعی حیثیت کی وضاحت کی ضرورت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ رسالہ بنام ”دعوت و تبلیغ کے آداب احکام اور اس کے طریق کار کی شرعی حیثیت“ اسی ضرورت و مقصد کو پیش نظر کھنکھکا لکھا گیا ہے۔ اگر اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے والے حضرات اس کو پیش نظر رکھیں تو امید ہے کہ یہ رسالہ ان کے لئے رہنما و مشعل رہ ثابت ہوگا۔ اس رسالہ میں اگرچہ زیادہ مواد مفہمی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن اور حضرت مولانا عبدالباری ندوی مرحوم د خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تالیف تجدید تبلیغ و تعلیم سے حاصل کیا گیا ہے۔

مگر چونکہ عبارت کی ترتیب اور نتائج کے استنباط میں اس ناکارہ کے ناقص علم و فہم کا بھی دخل ہے۔ اس لئے ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی غلطی اور فروگزاشت نظر آئے تو اس کو کسی جماعت کی مخالفت یا گروہی تعصب پر محمول کرنے کی بجائے ازراہ نصیحت و خیر خواہی ناکارہ کو مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

احقر نے مزید اطمینان کے لئے مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دم  
فیوضہم کو بھی یہ رسالہ دکھایا ہے۔ موصوف نے اس پورے رسالہ کو ملاحظہ فرما کر  
اس پر چند کلمات بھی ارقام فرمائے ہیں، اور اس رسالہ کا ناریخی نام  
اسالیب التبلیغات  
۶۱۹۶۸

(جو کہ اس رسالہ کی طباعت کا سال ہے) تجویز فرمایا ہے۔

و دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول اور نافع بنا لیں۔ آمین  
ان ارید الا اصلاح ما استطعت وما توفیتی الا باللہ علیہ  
توکلت والیہ انیب۔ فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ  
مدیر عربیہ حنفیہ ساہیوال ضلع سرگودھا  
۶ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# دعوتِ تبلیغ کے آدابِ احکام

اور اسکے

## طریق کار کی شرعی حیثیت

دعوت کے لفظی معنی بلانے اور تبلیغ کے معنی پہنچانے کے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ و  
السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور ان کو احکامات الہیہ کا پہنچانا،  
تمام تعلیمات نبوت و رسالت اسی دعوت و تبلیغ کی تشریحات و تفصیلات ہیں۔  
حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کا حکم، اور آداب دعوت کی تعلیم، قرآن کریم  
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت، حاجی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا)  
ہونا اور تبلیغ احکام پر آپ کا مامور ہونا مذکور ہے، اور اس دعوت و تبلیغ کے  
لئے اصول و آداب کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ  
بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ۔

آپ اپنے رب کی راہ یعنی دین اسلام کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی  
نصیحت کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

حکمت سے وہ طریقہ دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے اصول کی رعایت  
سے ایسی تدبیر اختیار کی گئی ہو جو مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو سکے اور نصیحت سے  
مراد یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے اور اچھی نصیحت  
سے مراد یہ ہے کہ عنوان بھی نرم ہو، لہذا قرآن میں فرمودہ (مشاور القرآن) اور اچھے طریقے

سے بحث کرنے کا مطلب یہ رہا ہے کہ اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی شدت اور خشونت سے اور مخاطب پر الزام تراشی اور بے انصافی سے خالی ہونا چاہیے اور گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے۔ دلائل ایسے معروض و مشہور پیش کئے جائیں جس کو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے اور اس کے شکوک و دودھوں۔ قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر گواہ ہیں کہ بحث و مباحثہ کا یہ طریقہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں۔ اہل کتاب کے باوجود میں بھی قرآن کریم کا یہی ارشاد ہے۔ اور ایک آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو قولاً کہ قولاً لینا کی ہدایت دے کر یہ بھی بتلادیا کہ فرعون جیسے رکش کافر کے ساتھ ہمیں یہی لطف و نرمی کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔

تشریح :- آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین آداب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ آداب دعوت ہر مخاطب کے لئے استعمال کرنے ہیں کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے۔ پھر اس کلام میں خیر خواہی بحد روی کے جذبات کے ساتھ ایسے شواہد و دلائل سامنے لانا ہے جس سے مخاطب مطمئن ہو سکے اور طرز کلام ایسا مشتقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل اصول دعوت دو ہیں۔ حکمت اور موعظت جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونی چاہیے۔ خواہ خاص کو ہو یا عوام کو۔ البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے۔ جو شکوک و دوام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث و مباحثہ پر آمادہ ہو تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی

گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی بالآخر ہی احسن کی قید لگا کر بتلادیا کہ وہ مجادلہ بھی۔ اچھے طریقہ اور مناسب انداز سے ہونا چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے عملی نمونے اور کفار کیساتھ ان کے ان مجادلات کی۔ جو اپنے معاند اور ضدی قوم کے مقابلہ میں کئے گئے ہیں۔ عملی تشریح سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے اس میں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا۔ کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔

دعوت و تبلیغ کی روح | مجادلات کے علاوہ دعوت و تبلیغ میں مخاطب اور موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان و تعبیر میں حکمت و مصلحت کی جو رعایتیں بھی انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہیں۔ اور دعوت الی اللہ کے قابل قبول اور موثر بنانے کے لئے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے وہی دراصل دعوت و تبلیغ کی روح ہے۔ نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش ہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہنا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پاتے۔ صحابہ کرام جیسے عشاق رسول جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی باتیں سننے سے اگتا جائیں گے۔ ان کے لئے بھی آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وعظ و نصیحت بڑا نہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے۔

ناکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے۔ ناکہ ہم اگتا نہ ہوں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

يَسْبِرُوا وَلَا تَغَيَّبُوا وَابْتَسِرُوا وَلَا تَنفِرُوا

لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری  
سننا و مایوس یا متنفذ نہ کرو

آج کل جو وعظ و تبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً  
اس کام کے کرنے والے ان اصول و آداب کی رعایت نہیں کرتے۔ لمبی لمبی تقریریں،  
وقت بے وقت نصیحت، مخاطب کے حالات کو معلوم کئے بغیر اس کو کسی کام پر  
مجبور کرنا ان کی عادت بن گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و اصلاح کے  
کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا۔ کہ مخاطب کی بچی یا سوالی نہ ہو۔ اسی لئے جب کسی  
شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور بُرے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہ راست خطاب کرنے  
کے بجائے مجمع کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔ ما بالِ اقوامِ یفلحون کذا۔ لوگوں کو  
کیا ہو گیا کہ۔ فلاں کام کرتے ہیں، اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وہ  
وہ بھی سن لیتا، اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔ انبیاء  
علیہم السلام کی عام عادت یہی تھی کہ مخاطب کو شرمناک نہ دلائے تھے اسی لئے بعض  
اوقات جہاں مخاطب سے سرزد ہوا ہے۔ اس کو اپنی طرف منسوب کر کے اصلاح کی  
کوشش فرماتے۔ سورہ یسین میں ہے وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَالَّذِي  
تُوَجَّهُونَ - یعنی مجھے کیا ہو گیا کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں۔  
قاصد رسول تو ہر وقت عبادت میں مشغول تھے۔ سنانا اس مخاطب کو تھا جو عبادت  
میں مشغول نہیں ہے مگر اس کام کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

آج کل اول تو دعوت و اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف  
دھیان ہی نہ رہا۔ اور جو اس میں مشغول بھی ہیں انہوں نے صرف بحث و مباحثہ  
مخاطب پر الزام تراشی، فقرے کسنے اور اس کی توہین و تحقیر کرنے کو دعوت و تبلیغ سمجھ لیا  
ہے جو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کبھی مؤثر و مفید نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے رہتے ہیں

کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور حقیقت میں وہ لوگوں کو متنفذ کرنے کا سبب بن  
رہے ہیں۔

ایک ضروری تمثیل ہے:- قرآن کریم نے مجاہدہ میں بالقی ہی احسن کی تیسرا لگا کر  
جس طرح یہ بتلادیا کہ وہ نرمی، اخیر خواہی اور مہمندی کے جذبہ سے ہونا چاہیے اور اس  
میں مخاطب کی توہین و تحقیر سے کلی اجتناب کرنا چاہیے اسی طرح اس کے احسن ہونے  
کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود متکلم کے لئے معزز نہ ہو جائے، کہ اس میں اخلاق  
مدلیہ، حسد، بغض، تکبر، جاہ پسندی وغیرہ پیدا نہ ہو جائیں۔ جو باطنی گناہ کیبہ ہیں۔  
ہر دو مبلغ و مصلح کے لئے اس تمثیل کو پیش نظر رکھنا اور خود کو اخلاق رفیضہ سے بچانا،  
تمہایت ہی ضروری ہے۔

ایک اہم اصول :- دعوت پنہیزانہ کے خاص اصول میں ایک اہم اصول یہ ہے  
کہ جو ہدایت عام خلق اللہ کو دی جاتے۔ اس کو پہلے اپنے گھر سے شروع کرے۔ اپنے  
گھر والوں کو اس کا ماننا اور سنانا نسبتاً آسان بھی ہوتا ہے۔ اس کی نگرانی بھی ہر وقت  
کی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت قرآنی وَأَمْرًا هَلَاكًا  
يَا صَلَوَةَ وَأَصْطَلِبُ عَلَيْهَا۔ یعنی آپ اپنے اہل کو بھی ناز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس  
پر ہے، نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ  
کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔

دعوت پنہیزانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون  
علیہما السلام کے لئے نقل کی گئی ہے۔ یعنی فَقُولَا لِمَا تَوَلَّآ لَيْسَا لَعَلَّہُمْ يَتَذَكَّرُوْا  
أَوْ يَخْشَوْنَ فِرْعَوْنَ سَمْعًا کہ وہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ اس میں یہ بیان  
ہوا ہے کہ اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ مخاطب کے

ساتھ، ہمدردانہ انداز سے بات نرم کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ مسرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے، مگر اپنے پیغمبروں کو اسی اصول کا پابند کرنا تھا، جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا تعالیٰ کے خوف کی طرف آجائے۔ فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو، مگر اصول وہ ہونا چاہیے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔

**آداب دعوت و تبلیغ کا نکتہ** | آداب دعوت کو استعمال کرنے کے باوجود جب مخاطب حق بات کو قبول نہ کرے۔ تو طبعی طور پر انسان کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور بعض اوقات اس کا یہ اثر بھی ہو سکتا ہے کہ دعوت کا فائدہ نہ دیکھ کر آدمی پر مایوسی طاری ہو جائے، اور کام ہی چھوڑ بیٹھے اس لئے **إِنَّ دَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ** میں تسلی کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کا کام صرف دعوت حق کو اصول صحیحہ کے مطابق ادا کر دینا ہے۔ آگے اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس میں نہ آپ کا کوئی دخل ہے نہ ذمہ داری، صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون گمراہ رہے گا اور کون ہدایت پائے گا۔ آپ اس نکتہ میں نہ پڑیں اپنا کام کرتے رہیں۔ اس میں ہمت نہ ہاریں۔ مایوس نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جملہ بھی آداب دعوت ہی کا نکتہ ہے۔

**امت پر فریضہ دعوت و تبلیغ** | قرآن و سنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر امت محمدیہ پر بھی اس فریضہ دعوت و تبلیغ کی انجام دہی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ڈالنے کے لئے قرآن و سنت میں بہت سے واضح ارشادات موجود ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے۔ کیونکہ تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو“

اس آیت میں پوری امت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اور دوسرے امتوں پر اس کی فضیلت کا سبب ہی اس خاص کام کو بتلایا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارہ میں بیشمار ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

والذی نفسی بیدہ لتأمرون بالمعروف ولتنهون عن المنکر  
اولیو شکن اللہ ان یبعث علیکم عذاباً من عنده ثم لتدع  
عنده فلا یتجسسکم۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم خدا تعالیٰ سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی“

ایک حدیث میں ہے کہ

من رای منکم متکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ  
وان لم یستطع فبقلبه وذاک اضعف الایمان۔

یعنی تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو روک دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے اور یہ دینی درجہ کا ایمان ہے۔

ان آیات و روایات سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امت کے ہر فرد پر لازم ہے۔

منکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ واقفیت پیدا کرے۔ اور احکام شرعیہ کے معروف و منکر کا علم حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے لیکن جب تک اس کی واقفیت نہیں۔ اس کا اس خدمت کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسے اس زمانہ میں بعض جاہل و غلط کہتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نہ انہیں قرآن کا علم ہے نہ حدیث کا، یا بہت سے عوام سُنی سنائی، غلط باتوں کو لے کر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں، کہ ایسا کرو یہ طریق کار بجائے معاشرہ کے درست کرنے کے اور زیادہ ہلاکت اور جنگ و جدل کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، من دای منکم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت عاید ہوگا جبکہ کوئی شخص اپنے سامنے منکر کو ہرتے ہوئے دیکھے مثلاً ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ کوئی مسلمان شراب پی رہا ہے، یا چوری کر رہا ہے یا کسی غیر عورت سے مجرمانہ اختلاط کر رہا ہے تو اس کے ذمہ واجب ہوگا کہ اپنی استطاعت و قدرت کے مطابق اس کو روکے اور اگر اس کے سامنے یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تو یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں۔ بلکہ یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے کہ مجرم کے جرم کی تحقیق و تفتیش کر کے اس کو سزا دے۔

**امر بالمعروف میں تفصیل** | شخص پر اس کی قدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ لیکن اس کے

وجوب میں یہ تفصیل ہے کہ امور واجبہ میں معروف کا امر اور منکر سے نہی کرنا واجب اور امور مستحبہ میں مستحب ہے، مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے۔ تو ہر شخص پر واجب ہوگا کہ بے نازی کو وصیت کرے اور نوافل مستحب میں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔ ایک ضروری ادب | اس کے علاوہ ایک ضروری ادب یہ بھی پیش نظر رکھنا

**تبلیغ و ارشاد میں تدریج بقدر استطاعت** | البتہ تمام احکام شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت و استطاعت پر احکام دائر ہوں گے جس کو جتنی قدرت ہو اتنا ہی امر بالمعروف کا فریضہ اس پر عاید ہوگا۔ ابھی جو حدیث آپ نے دیکھی ہے۔ اس میں استطاعت ہی پر مدار رکھا گیا ہے۔ اور آیت، فاصدع بما توامر کے نازل ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، چھپ چھپ کر عبادت اور تلاوت کرتے تھے اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ بھی خفیہ ہی ایک، ایک، دو، دو، دو کے ساتھ جاری تھا۔ کیونکہ اظہار و اعلان میں، کفار کی ایذا رسانی کا خطرہ تھا۔ حدیث مذکور میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ گناہوں کو ہاتھ دوت سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے اور زبان سے روک لے پر قدرت نہ ہو تو دل ہی سے برا سمجھے،

ظاہر ہے کہ زبانی سے روکنے پر قدرت نہ ہونے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اس کی زبان، حرکت نہیں کر سکتی۔ بلکہ مراد یہی ہے کہ اس کو یہ خطرہ تو ہے، کہ اس نے حق بات کی تبلیغ کی تو اس کی جان ہائے گی، یا کوئی دوسرا شدید نقصان پہنچ جائیگا ایسی حالت میں اس شخص کو قادر سمجھا جائے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر اس کو گنہگار نہ کہا جائے گا۔ پھر استطاعت و قدرت ہر کام کی جدا ہوتی ہے امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف و منکر اس شخص کو پوری طرح صحیح معلوم ہو، جس کو خود ہی معروف و منکر کی تیز نہ ہو یا اس مسئلہ کا پورا علم نہ ہو۔ وہ اگر دوسرے کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگے تو ظاہر ہے، کہ بجائے اصلاح کے فساد ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر کسی معروف کو منع کرنے لگے یا منکر کا حکم کرنے لگے۔ اس لئے جو شخص خود معروف و

لے صاحب حکومت و افسران پر ان کی قدرت کے موافق ہے۔ و کیوں مقدمات و اولوں پر ان کی، صاحب دولت پر اسکی، طاقت کے موافق (از حضرت مفتی جیل احمد صاحب تھانوی)

ہوگا کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی سے اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کی بھی گنجائش ہے۔ آجکل لوگ مستحبات میں یا مباحات میں تو سختی سے روک ٹوک کرتے ہیں لیکن امور واجبہ اور فرائض کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتے۔

جس جگہ مخاطب کے ماننے کا گمان غالب ہو اسی جگہ پر برائی سے روکنا اور منع کرنا فرض ہے۔

جس جگہ بات سننے اور ماننے کا احتمال غالب ہو وہاں مشائخ اور علماء پر بلکہ ہر مسلمان پر جس کو اس کا جرم و گناہ ہونا معلوم ہو۔ فرض ہے کہ گناہ کو روکنے اور منع کرنے میں۔ متقدم بھر کوشش کرے خواہ ہاتھ سے یا زبان سے یا کم از کم اپنے دل کی نفرت و اعراض سے اور جس جگہ غالب گمان یہ ہو کہ اس کی بات نہ سنی جائے گی یا یہ کہ اس کے خلاف دشمنی بھڑک اٹھے گی، تو ایسی حالت میں منع کرنا اور روکنا فرض تو نہیں رہتا مگر افضل و اعلیٰ بہر حال ہے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

امر بالمعروف کے وجوب کے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو مخاطب سے توقع ہو قبول کی اور کم از کم کسی فرد کا خوف نہ ہو۔ اور ایک یہ کہ مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور اکثر یہی ہے کہ جہاں علم نہ ہو وہاں توقع ہوتی ہے قبول کی اور اگر علم ہو تو اکثر ناگواری کا سبب ہوتا ہے۔

جب سے مسلمانوں نے اس فریضہ کو نظر انداز کر دیا اور جرائم کی روک تھام کو صرف حکومت اور اس کی پولیس کا فرض سمجھ کر خود اس علیحدہ ہو بیٹھے تو اس کا نتیجہ وہی ہوا جو آج ہر جگہ سامنے ہے اس لئے ملت کی اجتماعی اصلاح کے لئے قرآن و حدیث

میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ قرآن نے اس کام کو امت محمدیہ کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے اور اس کی خلاف رزی کرنے کو سخت گناہ اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم میں گناہ کے کام کئے جائیں اور کوئی آدمی اس قوم میں رہتا ہے اور ان کو منع نہیں کرتا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر عذاب بھیج دے۔ عوام کا نوکریاؤں کو خواص علماء و صلحاء میں اس ضرورت کا احساس بہت کم ہے۔

یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اپنے اعمال درست کئے جائیں۔ توبہ کافی ہے۔ دوسروں کی اصلاح کی فکر گویا ان کے ذمہ ہی نہیں پھر اگر کچھ لوگ دعوت اصلاح کے فریضہ کی طرف توجہ دیتے بھی ہیں۔ تو وہ قرآنی تعلیمات اور دعوت پیغمبرانہ کے اصول و آداب سے نا آشنا ہیں۔ بے سوچے سمجھے جس کو جس وقت جو چاہا کہہ ڈالا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے حالانکہ یہ طرز عمل سنت انبیاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دین اور احکام دین پر عمل کرنے سے اور زیادہ دوپھینک دیتا ہے۔

آخرت ہونے کا سبب | اس زمانہ میں دعوت و اصلاح کا کام پوری طرح مؤثر نہ ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ فسادِ زمانہ اور حرام چیزوں کی کثرت کے سبب عام طور پر لوگوں کے قلوب سخت اور آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔ اور قبول حق کی توفیق کم ہو گئی ہے اور بعض تو اس قہر میں مبتلا ہیں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی کہ

”آخر زمانہ میں بہت سے لوگوں کے قلوب اندھے ہو جائیں گے۔ بھلے بڑے

کی پہچان اور جائز ناجائز کا امتیاز ان کے دل سے اٹھ جائے گا۔“

اس اہم فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے  
مضوری ہے کہ امت میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد ہی کے لئے قائم  
رہے۔ اس کا وظیفہ ہی یہ ہو کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف  
بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا براٹیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت  
بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے کی اپنے مفقودہ کے موافق کوتاہی  
نہ کرے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ فریضہ مکمل طور پر اسی وقت ادا کیا جاسکتا ہے جب  
اس جماعت کو مسائل کا پورا علم ہی ہو اور امر بالمعروف کے آداب و طریقے بھی سنت  
کے مطابق اس کو معلوم ہوں۔ آیت ذیل میں ایسی خاص جماعت جس کا وظیفہ  
دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، کی ضرورت و اہمیت کو بتلاتے ہوئے  
فرمایا ہے :-

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف  
وینہون عن المنکر

یعنی تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں  
اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں۔ اور برے کاموں سے روکا کریں۔

ولتكن منكم امة میں ارشاد رہے کہ اس جماعت کا وجود ضروری  
ہے۔ اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ایسی  
جماعت قائم کریں۔ پھر اس جماعت کے بعض اہم اوصاف اور امتیازات کی طرف اشارہ  
کرتے ہوئے فرمایا یدعون الی الخیر یعنی اس جماعت کا پہلا امتیاز خصوصاً یہ ہوگا  
کہ خیر کی طرف دعوت دیا کرے گی۔ گویا دعوت الی الخیر۔ اس کا مقصد اعلیٰ ہوگا۔

خیر سے مراد کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں

میں ارشاد فرمایا :-

الخیر هو اتباع القرآن وسنتی

یعنی خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کا اتباع ہے نہ

خیر کی اس سے زیادہ جامع اور مانع تعریف نہیں ہو سکتی۔ پورا دین شریعت

اس میں آگیا پھر یدعون کو صیغہ مضارع سے لاکر بتلایا کہ اس جماعت کا وظیفہ  
ہی دعوت الی الخیر ہوگا۔ یعنی دعوت الی الخیر کی مسلسل اور لگاتار کوشش ان کا فریضہ ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ اس کی ضرورت خاص  
مواقع پر ہوگی جب وہ منکرات دیکھے جائیں، لیکن یدعون الی الخیر کہہ کر بتلا  
دیا کہ اس جماعت کا کام دعوت الی الخیر ہوگا۔ اگرچہ اس وقت مکملات موجود  
نہ ہوں یا کسی فرض کی ادائیگی کا وقت نہ ہو۔ مثلاً آفتاب نکلنے کے بعد زوال تک نماز  
کا وقت نہیں لیکن یہ جماعت اس وقت بھی نماز پڑھنے کی تلقین کرے گی کہ وقت نماز  
آنے کے بعد نماز ادا کرنا ضروری ہے یا روزہ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی رمضان کا مہینہ  
دور ہے لیکن وہ جماعت اپنے فرض سے غافل نہیں رہے گی بلکہ وہ پہلے سے لوگوں کو  
بتلاتی رہے گی کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو روزہ رکھنا فرض ہوگا غرضیکہ اس  
جماعت کا فریضہ دعوت الی الخیر ہوگا۔

پھر اس دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیر  
دعوت الی الخیر کے مدارج | مسلمانوں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔

مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت  
دے زبان سے بھی اور عمل سے بھی دعوت الی الخیر کا دورہ درہر خود مسلمانوں کو دعوت خیر  
دینا ہے۔ کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان

سے ابن کثیر



تبلیغ کرے اور فریضہ دعوت الی الخیر انجام دے۔ پھر اس میں بھی ایک تو دعوت الی الخیر عام ہوگی۔ یعنی تمام مسلمانوں کو ضروری احکام و اسلامی اخلاق سے واقف کیا جائے۔ دوسری دعوت الی الخیر خاص ہوگی یعنی امت مسلمہ میں علوم قرآن و سنت کے ماہرین پیدا کرنا۔ اس طرف ایک دوسری آیت میں رہنمائی کی گئی ہے۔

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين - ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون -

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تبلیغ احکام اور اس کی ضرورت سے تعلیم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں (جو اعظم العبادات ہے) مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔

آگے اس جماعت داعیہ کا دوسرا وصف اور امتیاز خصوصی یہ بتلایا کہ یا مدون بالمعروف و یمنہون عن المنکر یعنی وہ لوگ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ آیت کے اختتام پر اس جماعت کے انجام اور عاقبت محمودہ کہ ان لفظوں میں فرمایا۔ واولئک هم المفلحون۔ یعنی درحقیقت یہ لوگ کامیاب ہیں۔ فلاح و سعادت دارین ان ہی کا حصہ ہے اس جماعت کا سب سے پہلا مصداق جماعت صحابہ ہے۔ جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم مقصد کو لے کر اٹھی اور قلیل عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئی روم اور ایران کی عظیم سلطنتیں روند ڈالیں اور تقویٰ کی شمعیں روشن کیں۔

مبلغین اسلام کے لئے چند ہدایات  
جو شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں

اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو۔ قوموں کی اصلاح و تبلیغ میں نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی۔ بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے۔ چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے۔ اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ نہیں فرمائے بلکہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا۔ کیونکہ سیاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو علم اور تبلیغ کو پلنگہ کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

علماء اور مشائخ کی ذمہ داری | آیت کریمہ لولا ینہاھم الربانیون الاجبار الایہ میں یہود کے مشائخ اور علماء کو اس پر سخت

تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ان لوگوں کو بُرے اعمال سے کیوں نہیں روکتے۔ قرآن میں اس جگہ دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک دبانیتون جس کا ترجمہ ہے اللہ والے یعنی عابد زاہد، جن کو ہمارے عرف میں دیویش یا پیر یا مشائخ کہا جاتا ہے اور دوسرا لفظ احبار استعمال فرمایا ہے۔ یہود کے علماء کو احبار کہا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طریقوں پر ہے۔ ایک مشائخ دوسرے علماء

اصلاح اعمال کا صوفیانہ طریقہ | اصلاح اعمال کا سبب سے زیادہ اہتمام کرنے والے حضرات صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ ہیں۔ ان حضرات نے انہیں ارشادات قرآنیہ سے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے

لے صارف القرآن لے صارف القرآن

کہ جیتنے بڑے یا بچھلے اعمال انسان کرتا ہے۔ اصل میں ان کا اصل سرچشمہ وہ معنی ملکات اور اخلاق ہوتے ہیں جو انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ اسی لئے جسے اعمال اور جرائم کی روک تھام کے لئے ان کی نظر ان ہی معنی ملکات پر ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کر دیتے ہیں تو تمام اعمال خود بخود درست ہونے لگتے ہیں۔ شاکہ کسی کے دل میں مال دنیا کی حرص کا غلبہ ہے، وہ اس کے تیبہ میں رشوت بھی لیتا ہے سو وہ بھی کھاتا ہے اور موقع ملے تو چوری اور ڈاکہ تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حضرات صوفیائے کرام ان جرائم کا الگ الگ علاج کرنے کے بجائے وہ نسخہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان جرائم کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور وہ ہے دنیا کی ناپائیداری اور اس کی عیش کے زہر آلود ہونے کا استحضار اسی طرح کسی کے دل میں تکبر اور غرور ہے۔ یا وہ غصہ میں منسوب ہے اور دوسروں کی تحقیر و توہین کرنا ہے۔ دوستوں اور پڑوسیوں سے لڑتا ہے۔ یہ حضرات فکر آخرت اور خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کو مستحضر کرنے والا نسخہ استعمال کرنے میں جن سے یہ اعمال بد خود بخود ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قرآنی اشارہ سے معلوم ہوا کہ انسان میں کچھ ملکات ہوتے ہیں جو طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں یہ ملکات خیر اور بھلائی کے ہیں۔ تو نیک عمل خود بخود ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح ملکات برے ہیں تو برے اعمال کی طرف انسان خود بخود دوڑنے لگتا ہے۔ مکمل اصلاح کے لئے ان ملکات کی اصلاح ضروری ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تبلیغی مساعی جمیلہ اور استہام اصلاح امت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تبلیغ کی خدمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف سینکڑوں وعظ اور سفر ارضی خدمت

کی انجام دہی کے لئے فرمائے بلکہ کثرت سے مواظظ و مفرظات میں تبلیغ کے اہم اقدام فریضہ دینی کے لئے مسلمانوں کو متوجہ اور مجتمع فرماتے رہے۔ آداب تبلیغ محاسن الاسلام الدعوت الی اللہ صلاح و اصلاح وغیرہ بہت سے مطول و عظوم کا تو مستقل موضوع ہی فریضہ تبلیغ کی اہمیت و اقدیت اور اس کے آداب و احکام کی تفصیل ہے حضرت تھانویؒ کی اصلاحی اور تجدیدی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کو دیکھ کر یہ بات اہل من الشمس مہجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والذکی ذات گرامی کو اصلاح امت اور تجدید ملت کی اہم خدمات کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا۔ اس لئے حضرت والذکی تمام زندگی ہی اصلاح امت کے اہتمام میں بسر ہوئی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں علمی اور عملی اصلاح کا ایک نہایت اور مفید نظام اور دستور العمل پیش فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد اذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ (الآیہ) میں حکمت و مواعظت حسنہ اور ابدال احسن کے عنوان سے دعوت و تبلیغ کے جن طریقوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواظظ حسنہ ان سب طریقوں کا نہایت جامع ذخیرہ اور دین کے سبلوں اور داعیوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مواظظ قصہ گو و عظوم کا و غطیا بعض کسی لفاظ و جوش بیان مفرک کی تقریر نہیں ہے بلکہ یہ مواظظ پرے دین اور اسکے سارے ابواب و احکام کی تبلیغ و دعوت کا نہایت ہی محققانہ۔ حکیمانہ اور عالمانہ۔ مجتہدانہ اور مجددانہ خزانہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ مواظظ دعوت و تبلیغ کے اصول و حدود کی اصلاح و تجدید کا بھی کمال و مکمل عملی سرمایہ ہیں۔

جب تک حضرت تھانویؒ کی قوت نے سفر کی اجازت دی کثرت سے مواظظ کے لئے سفر فرماتے رہے۔ پھر جتنی کثیر تعداد میں قدم بند ہو کر ان مواظظ کی حق تعالیٰ نے حفاظت فرمادی۔ اس کی نظیر امت کی ساری تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ ار کے

ہونے کا تجربہ تو آج بھی ان کو پڑھ کر جس طبقہ کے جس فرد کا جی چاہے کر سکتا ہے۔ چند ہی وعظ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق و اطاعت کی ایک نئی حیات و حرکت پڑھنے والا اپنے اندر محسوس کرنے لگے گا۔

اس لئے موقع و محل کے اعتبار سے اجمال و تفصیل اور جنفی تعمیر و تبدل کے ساتھ ان مواعظ کا اعادہ و تکرار نہ صرف انشاء اللہ تعالیٰ دین کے ہر شعبہ میں امت کی اصلاح کے لئے کافی وافی ہے بلکہ بیرون کو بھی سبیل رب کی طرف بلانے اور مائل کرنے میں نہایت کارگر اور نافع ہے منجملہ صد افاوات علیہ کے حضرت والاؒ کے اہتمام اصلاح امت کا ایک جامع مانع نظام آپ کے رسالہ اصلاح انقلاب امت میں مرقوم ہے اس میں حضرت والاؒ نے امت کے ہر طبقہ کی اصلاح کے لئے ایسا دستور لکھ مرتب فرمایا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو نہایت سہولت کے ساتھ ہر طبقہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

**طالبان احکام کا دستور العمل** | یہ ہے کہ ان میں جو زیادہ فارغ ہیں۔ جیسا ہل تنعم و اہل ثروت وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لئے فارغ کر دیں۔ گو ضروریات دنیوی کے لئے لسان ملک و فنون راجح کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہوئے پائیں۔ پس اولاد تو یوں دست ہوتی اور خود کوئی وقت مقرر کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالب علم کے پاس جا کر یا اس کو بلا کر اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو تو زیادہ بصیرت کا آلہ ہے ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری مسائل کو کسی محقق کے مشورہ سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً مطالعہ کرے بہتر یہ ہے کہ دو تین بار ورنہ اقل درجہ تحصیل ایک ایک ہی بار پھر مطالعہ چند باروں پر غور کر لیں۔ مگر یہ رسائل ایسے ہوں جن میں سب اجزاء دین کا کافی بیان ہو۔ عقائد و دیانت و معاملات و معاشرت و اخلاق باطنہ۔

اور جن کو سائنس کی مزدورت سے زیادہ فراغ نہیں ہے۔ صرف حرف شناس ہیں یا با سانی ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کر لیں پھر بطور دورہ کے انکا بار بار مطالعہ کیا کریں۔ اور جبکہ درس کا انتظام نہ ہو سکے بطور خود سی دو چار دن روزانہ بالاتزام مطالعہ کیا کریں اور مواقع ظہان میں خود رانی سے کام نہ لیں بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دیں اور کسی ماہر سے ملاقات ہونے کے وقت اس کی تحقیق کر لیں اور جو لوگ ان میں حرف شناس نہیں ہیں اور نہ با سانی ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کام کے لئے فارغ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں، بہتر تو یہ ہے کہ روزانہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لئے بالاتزام مقرر کریں اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم کا ان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو تجویز کریں اور اگر کسی عالم سے تجویز کر لیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر اس خواندہ فہمیدہ شخص کو لاکر ایک مہینہ وقت تک (مثلاً ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ) دین کے رسائل کو سنا کریں اور سمجھا کریں، اور اگر ایسا شخص مفت نہ ملے تو کچھ اس کی مالی خدمت کریں اور اس سنانے والے شخص کو جہاں شبہ رہے۔ پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اس وقت اس کو رہنے دیں پھر جب کوئی عالم میسر ہو اس سے حل کر لیں اور سب محج کو پہنچا دیں۔ اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو تو آپس میں مشروع طریقہ سے چندہ کر کے اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے بلا کر رکھیں اور یہ طریق جاری کریں۔

اور تمام طبقات مذکور میں علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع رسائل کے دو باتوں کا اور بھی التزام رکھیں۔ ایک یہ کہ اپنے اعمال و احوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو پیش آوے فوراً علما حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بعد کے زبانی

نہ ذبانی پوچھ سکیں تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں۔ دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں خواہ عوام کی مجلس ہو۔ جسے جلسہ ملاقات و زیارت خواہ عام مجلس ہو جیسے جلسہ وعظ و نصیحت اور جو نہیں دل سے یاد رکھیں

اب عورتیں رہ گئیں سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں۔ اس لئے سہل تران کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر معلمہ عیضہ دیندار مل جاوے تو کمسن بچوں کو اس کے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلاویں اور ان کے لئے بہشتی زیور کے دس حصے بالکل انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہیں بلکہ بافضام گیا رہو یہی حصہ شہتی بہشتی گھر کھردوں کے لئے بھی کافی ہیں۔ اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو تو ان کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جاوے۔ اور وہ انتظام دو ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خاندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل یا لاسنایا کریں سمجھایا کریں بلکہ کئی دورے کرادیں دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ کسی متورع قبح سنت عالم کا گھر میں وعظ کبدا یا کریں۔ کہ یہ عجب موثر عمل ہے۔

غرضیکہ اصلاح عوام کے لئے مذکورہ بالا دستور اسل پر عمل کا اہتمام و التزام کرنا دین کے ہر شعبہ میں بقدر ضرورت واقفیت پیدا کرنے کے لئے نہایت مفید ہے۔ اور اس دستور اسل کا خلاصہ پانچ باتوں پر عمل کا اہتمام کرنا ہے۔

(۱) کتب دینیہ کا پٹھنا یا دیکھنا یا سننا (۲) علماء دین سے مسئلہ پوچھنا

(۳) وعظ سننا (۴) صحبت اہل کمال

(۵) گھر والوں کو خود پڑھانا یا سننا یا کسی ذریعہ سے پڑھوانا سنوانا۔

## ایک انوکھا نظام اصلاح و تبلیغ

### ”حیانتہ المسلمین“

انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نشا، بعثت صرف اصلاح امت نہیں تھا بلکہ تکمیل امت تھا اس لئے کہ اس امت کا منصب حق تعالیٰ نے عالم کے لئے مصلح اور اہل عالم پر حجت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہ تم سب سے اچھی امت ہو جن کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے نیز فرمایا لَنْ كُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ نَاكُمْ اہل عالم پر بطور گواہ ہمیشہ کئے جاؤ اور تمہاری گواہی پر حجت تمام ہو جائے۔

اس لئے امت مصلح کی دعوت و تبلیغ کا منصب بھی تکمیل امت ہونا ضروری ہے اور تکمیل امت کے لئے تجلیہ و تحلیہ ہر دو عمل ضروری ہیں کہ تمام بد اعمالیوں کا کٹاؤں اور گندگیوں سے امت کو روک کر پاک و صاف کیا جاوے اور تمام اعتقادات عبادات و معاملات، معاشرت اور طریقت کی خرابیوں اور احکام سے قوم کو مزین کیا جائے تاکہ اَمْرٌ دُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْوٌ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مقصد پر عمل پیرا ہو سکے مختلف طریقہ نامے اصلاح و تبلیغ کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نظام مجلس حیانتہ المسلمین درحقیقت تکمیل امت کا ایک جامع اور موثر نظام ہے جسے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہمام ربانی کی روشنی میں ضبط فرمایا ہے اور الحمد للہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں تکمیل امت کے لئے اصلاح و تبلیغ کے اس نظام کو پناہ یا جا رہا ہے۔

کتب دینیہ کا نصاب برائے عوام | کتابوں کا مطالعہ کرنے میں بکثرت یہ فعل کی جاتی ہے کہ جو کتاب دین

لے اصلاح انقلابات حضرت تھانوی؟

کے نام سے دیکھی یا سنی اس کا مطالعہ شروع کر دیا جاتا ہے اور اس کی تحقیق نہیں کی جاتی کہ اُن کا مصنف کون ہے۔ وہ اہل حق میں سے ہے یا نہیں۔ اس لئے ذیل میں ایک مختصر نصاب قابل مطالعہ کتب کا لکھا جاتا ہے تاکہ ان کے مطالعہ سے دین کے ہر شعبہ میں بقدر ضرورت دینی معلومات حاصل ہو سکیں بہشتی زیور گیارہ حصے -  
تعلیم الدین، فروع الایمان، جزو الایمان، تبلیغ دین، قصد السبیل، شوق وطن  
اصلاحی نصاب مجلس صیانتہ المسلمین پاکستان نے بہشتی زیور کے علاوہ  
حضرت تھانوی قدس سرہ کی نو کتابوں پر مشتمل اصلاحی  
نصاب مرتب کیا ہے جس میں فضائل اعمال کے ساتھ مسائل و احکام بھی ہیں اور امر  
کے ساتھ منکرات سے نواہی بھی شدت کے ساتھ پائی جاتی ہیں جس میں دین کے تمام شعبوں  
(اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت اور طریقت) کی تفصیل و تشریح  
کے ساتھ ترغیب و تخریب کے مضامین بھی کافی ملتے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ ہندوپاک  
کے بڑے بڑے اکابر نے اس کو پسند فرما کر عوام و خواص کو اس کے پڑھنے کی طرف  
متوجہ کیا ہے یہ نصاب شائع ہو چکا ہے اور مجلس صیانتہ المسلمین پاکستان کے دفتر  
واقع جامدہ شرفیہ فیروز پور روڈ لاہور سے قیاماً مل سکتا ہے۔ یہ نصاب مندرجہ ذیل  
کتب پر مشتمل ہے:-

حیوۃ المسلمین، حقوق الاسلام، حقوق الوالدین، ادب المعاشرت  
جزاء الاعمال، فروع الایمان، تعلیم الدین، قصد السبیل، اغلاط العوام۔

علم دین کے فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم، یعنی علم حاصل کرنا فرض ہے ہر ایک مسلمان پر  
لے اصلاح انقلاب امت لئے یہ نصاب شائع ہو گیا ہے۔

حدیث مذکور میں جو علم ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے۔ اس سے مراد علم دین کا  
صرف وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکتا ہے نہ حرام چیزوں سے بچ  
سکتا ہے جو ایمان و اسلام کے لئے ضروری ہے باقی علم کی تفصیلات قرآن و حدیث  
کے تمام معارف و مسائل پھر ان سے نکالے ہوئے احکام و شرائع کی پوری تفصیل یہ نہ  
ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے۔ البتہ پورے عالم اسلام کے  
ذمہ فرض کفایہ ہے۔ ہر شہر میں ایک عالم ان تمام علوم و شرائع کا ماہر موجود ہو تو باقی  
مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم  
نہ ہو تو شہر والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا  
کہ اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فہمی  
لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں۔ اس لئے علم دین میں فرض عین اور فرض کفایہ کی  
تفصیل یہ ہے کہ:-

## فرض عین

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا  
علم حاصل کرے اور طہارت نجاست کے احکام سیکھے۔

غائر روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض واجب قرار دی ہیں۔ ان کا علم حاصل  
کریں۔ جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے جس شخص کے پاس بقدر نصاب  
مال ہو۔ اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل و احکام معلوم کرے جس کو حج پر قدرت  
ہو اس کے لئے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے جس کو بیع و  
شرا کرنا پڑے یا تجارت و صنعت یا مزدوری و اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض  
عین ہے کہ بیع و اجارہ کے مسائل و احکام سیکھے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و  
مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے۔ غرض جو کام شریعت نے ہر  
انسان کے ذمہ فرض و واجب کئے ہیں۔ ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا بھی

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ (از مسارف القرآن) کتب و بیہ فیہ کا جو نصاب عوام کے لئے اور پر لکھا گیا ہے۔ اس کو یا صرف بہشتی زیور، گیارہ حصوں کو سمجھ کر پڑھ لینا یا سن لینا اور پیش آمدہ مسائل میں بھی علم سے رجوع کرتے رہنا اس فرض کی ادائیگی کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگا۔

**فرض کفایہ** | پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں متنبہ اور غیر متنبہ کی پہچان پیدا کرنا، قرآن

سنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں۔ ان سب کا علم حاصل کرنا اس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں ساکس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی سب کو دش ہو جائیں گے (از مسارف القرآن) سینکڑوں ہزاروں تبلیغی و دعوتی مواعظ کے علاوہ مناسبات تبلیغی، یا تبلیغ کی وقتی ضرورتوں سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا گیا۔

**۱۳۳ھ** میں شہر آگرہ کے اطراف سے جب فتنہ ارتداد کی خبر پہنچی تو حضرت حکیم الامت تھانوی نے فتنہ ارتداد

کے زمانہ میں بنفس نفیس ایسے مقامات کا دورہ فرمایا۔ جہاں اس ارتداد کا اندیشہ قوی تھا جس میں ربواری، نارنول، اور موضع اسماعیل پور متصل اور میں۔ الامام نعمت الاسلام و عطا ہوا جس کے تین حصے ہیں اور دوسرے سفر کا قبضہ نوح اور فیروز پور بھر کا وغیرہ کے لئے ادا ہو فرمایا تھا۔ مگر اسی اثنا میں سفر سے غدر پیش آ گیا جس کی وجہ سے سفر بالکل موقوف ہو گیا۔ اس کے علاوہ والد مرحوم حضرت مولانا سید عبد الکریم صاحب گتھلی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد المجید صاحب پچھریونی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو اس علاقہ ارتداد میں تبلیغی خدمات پر مامور فرمایا اور کال دو سال تک اس سلسلہ

تبلیغ کو نہایت اہتمام سے جاری رکھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ زبانی ارشادات سے اور خطوط میں بھی نہایت مفید ہدایات سلسلہ تبلیغ اپنے خدام مذکورین فرماتے رہتے تھے نیز دعاؤں کے ساتھ حوصلہ افزا کلمات بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

**والا نامہ حکیم الامت تھانوی** | السلام علیکم حالات سے بہت کچھ امیدیں ہرئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی صرف آپ

جیسے مخلصین کا جانا اور پچھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہر جانا یقیناً کامیابی دلاتا ہے علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب و فرد سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔ بخند مت مولوی صاحب سلام مسنون۔ (اشرف السوانح جلد ۳ ص ۲۴۸)

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان ارشادات کا مقصد صرف یہ خیال میں آیا کرتا تھا کہ حوصلہ افزائی فرمائی جا رہی ہے لیکن جب ڈیڑھ سال کے بعد ایک جماعت نے تمام علاقہ تبلیغی یعنی ۲۹ ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا اور اس رونما میں اس کی تصریح بھی درج تھی کہ تحصیل پولو دجہاں احقر اور مولوی عبد المجید صاحب (حسب حکم و ہدایت حضرات والا) کار تبلیغ انجام دیتے تھے) اقل نمبر کامیاب رہی تب معلوم ہوا کہ یہ نشانات اور پیشین گوئی تھی۔ جو خدا کے فضل سے بالکل صحیح ہوئی (اشرف السوانح)

**بعض تبلیغی رسائل** | اس عملی اہتمام کے علاوہ اس زمانہ میں حضرت والد نے مندرجہ ذیل رسالے بھی شائع فرمائے تھے۔

(۱) الانسداد لفتنة الارتداد (۲) حسن اسلام کی ایک جھلک

(۳) نماز کی عقلی خوبیاں۔ ان میں سے نمبر ۱ کو ہندی میں بھی چھپوا کر تقسیم کیا

گلی تھا۔ اور غالباً نمبر ۳ بھی ہندی میں چھپا تھا، اور زیادہ تر ان مذہب لوگوں کو مسلمانوں سے گائے کا گوشت کھانے کے سبب وحشت تھی۔ اس واسطے ایک رسالہ میں ہندوؤں کی کتاب وید سے گائے کی قربانی کو ثابت کیا تھا۔ وہ بھی شائع کیا گیا، اور چند مکاتیب بھی قائم کے گئے تھے۔ جنگی امداد میں حضرت اقدس نے بھی کافی حصہ لیا، اور دوسرے ذرائع سے بھی معارف کا انتظام ہوا۔ اور چند موعظ میں بھی تبلیغ کے متعلق مضامین بیان فرمائے جن میں کے چند موعظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱) الدعوت الی اللہ (۷)، محاسن الاسلام (۳) آداب التبلیغ مغربیہ حضرت اقدس نے ہر پہلو سے اصلاح اور تبلیغ کا اہتمام فرمایا۔

ذیل میں اس تبلیغی وفد کا ایک خط درج کیا جاتا ہے جو الانسداد نقندہ الانداد کے مآثر پر اطلاع حال کے لئے حضرت حکیم الامت نے شائع فرمایا ہے، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کے لکھنے کے بعد دو مخلص متدین عالم دوستوں کو کافی خرچ دے کر اس خدمت کے لئے روانہ کیا گیا۔ ان کے خط سے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

### نقل خط وفد مدرسہ و خانقاہ امدادیہ (تھانویہ)

بملاحظہ... وامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتر بنان برقدہ دو شنبہ ۱۲ شعبان ۱۳۱۵ھ کو مولوی محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے ہمراہ گورگنواں کے راستہ سے فیروزپور پہنچے۔ اور چند مواضع میں بھی جانا ہوا۔ دیہات میں صوم و صلوات سے ناواقف ہیں ان کو نماز کی طرت توجہ دلائی۔ اور سلسلہ تعلیم قائم کرنے کو کہا گیا۔ بعض جگہ مسجدیں

لے اشرف السواح

امام رکھنے کا اور اس سے بچوں کو نماز وغیرہ سکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ بقدر ضرورت وہاں کے لوگ امام کی خدمت کر سکتے ہیں عا فرادیں کہ امام مقرر ہو جاویں۔ مولوی محمد الیاس صاحب کو شش کر رہے ہیں۔ دیہات میں عموماً شکل و صورت ہندو کی سی ہے۔ کان، ہاتھ وغیرہ میں زیور۔ دھوتی بانڈھا، دیوالی وغیرہ، تہواروں میں ہندو کی شرکت کرنا، یا مشابہت کرنا۔ ان باتوں سے ان کو روکا گیا۔ نام بھی ہندوانہ ہیں جیسے ہری سنگھ وغیرہ بعض کے نام بدل دے ہیں۔ امید ہے کہ مکتب قائم ہونے سے اصلاح ہو جاوے گی اور جن مواضع میں نماز وغیرہ کی پابندی ہے۔ ان کو دیگر امور کی تاکید جاتی ہے۔ سو دینے دینے سے کوئی خالی نہیں دس پندرہ آدمیوں نے سو سے توبہ کی۔ دو ایک آدمیوں نے شراب سے، بیس بیس بچوں کا زیور نکالا گیا۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں اور ہمارے لئے بھی نافع کریں۔ ان دیہات میں غالباً بیس یوم تک رہنا ہوگا۔ بعد ازاں اگرہ جاویں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر حالات عرض کئے جاویں گے۔ والسلام احقر عبد الکریم گمختوی و مولوی عبد الحمید پھراونی از فیروز پور نمک ضلع گڑگانوہ مولوی محمد الیاس صاحب السلام علیکم کہتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھی ہیں۔ بعض ان لوگوں کو جو بیشتر سے دیگر فرائض کے پابند ہیں مسئلہ توریث بات (وراثت میں لڑکیوں کو حق دینا) بھی پہنچا دیا۔ دو ایک نے پختہ ارادہ کیا ہے۔ فرائض نکال دیئے ہیں۔ فقط، ۱۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۱۵ھ

مبلسین کی تنخواہوں کا تعین | حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خدمت تبلیغ کے لئے مذکورہ دونوں لوگوں

کو ضروریات کے لئے کافی خرچ دے کر روانہ کیا تھا۔ مگر ان حضرات نے اپنے تدبیر اور اخلاص کے تقاضہ سے خرچ کرنے میں بہت تنگی اختیار فرمائی۔ تو حضرت والائے سہولت کے لئے تنخواہوں کا تعین فرمادیا۔ چنانچہ حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا: ابتدا

ارسال وفد سے آخر شوال تک مبلغین کی کچھ تنخواہ معین نہ تھی۔ بلکہ جتنا خرچ ہوتا تھا دیا جاتا تھا۔ مگر غایت احتیاط کے سبب وہ حضرات اپنے بعض ذاتی اخراجات میں بہت تنگی کرتے تھے ماس لئے ابتداء ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ سے عمل کی تنخواہ فی کس میں ۱۰ روپے ماہوار مقرر کر دی ہے اور سفر میں طعام و سواری وغیرہ جو خرچ ہو وہ اس کے علاوہ ہے۔

مذکورہ خط سے مقامات تبلیغ کی دینی حالت کے انحطاط کا اندازہ ہونے کے ساتھ اس خانقاہی وفد کے طرز تبلیغ اور سلیقہ تعلیم کا انکشاف بھی ہوتا ہے، کہ ان کو اپنی تبلیغ میں مقامی ضروریات اور حالات کے تقاضوں کا لحاظ پیش نظر رہتا تھا، اور معاشروں میں ہر قسم کی مروجہ رسومات اور عملی کوتاہیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی اور قیام بھی ضروریات کے مطابق کیا جاتا تھا، مساجد میں اماموں کے تقرر کرنے اور ان کے ذریعے مکاتب و مدارس کے اجراء کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور اس کو نماز وغیرہ کے سکھانے اور اصلاح حال کے لئے بہت ضروری اور مفید سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جن مقامات پر اماموں کے رکھنے یا مکاتب کے اجراء کی طرف۔ مقامی لوگ خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے تھے، یا نہیں کر سکتے تھے تو حضرت اقدس تھا نوحی اور مولانا محمد الیاس صاحب ایسے مقامات میں مالی امداد و تعاون کے ذریعہ بھی اس دینی ضرورت کو پورا فرماتے کی سعی فرماتے تھے۔

**مکاتب و مدارس کا قیام** | اس خانقاہی وفد نے ایسے جن مدارس کی کسی قسم کی خدمت و اعانت کی ہے۔ ان کی ایک فہرست مع تعداد طلباء حضرت اقدس تھا نوحی کی خدمت فیضِ رحمت میں پیش کر کے ان کی ترقی اور اس سلسلہ مکاتب و مدارس کے قیام میں مزید ترقی کی خاطر

درخواست پیش کی ہے۔ یہ فہرست ایک نقشہ کی صورت میں ہے جس میں فیہر شمارہ مقام مدرسہ، تعداد طلباء، کیفیت کی نام پر تفصیلات پر مشتمل ہے جو کہ ماہنامہ "النور" تھا بھون۔ ماہ شوال ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ۱۴ مقامات کے مدارس و مکاتب کی تفصیلات مع تعداد طلبہ ہر مقام درج ہے۔ میزان کل طلبہ ۸۰۲ لکھی ہے۔

**معلم نماز کا تقرر** | اس خانقاہی وفد کے خط میں مرقوم ہے کہ علاوہ انہیں ایک معلم نماز سکھانے کے لئے ایک ایک ماہ ایسے

گاؤں میں قیام کرتے ہیں جہاں مکتب نہیں وہ تقریباً ایک سو پچاس آدمیوں کو نمازی بنا چکے ہیں جہاں مکتب قائم ہو یا امام مسجد مقرر ہو وہاں نماز سکھانے کا کام مکتب کے مدرس یا امام مسجد سے لیا جاسکتا ہے۔ ورنہ دیہاتوں میں بے نمازیوں کو نماز بنانے اور نماز سکھانے کا بیہ طریقہ نہایت مفید ہے۔ کہ ایک شخص کو نماز سکھانے کے لئے جتنی ہستی اور قریبہ قریبہ دورے کر کے مقامی طور پر نماز سکھانے کے لئے متنبہ کر دیا جائے اور وہ ہر ہستی میں جہینہ بھر یا اس سے کم دینش مدت تک حسب ضرورت قیام کر کے نماز وغیرہ ضروریات کی تعلیم کا کام انجام دے۔ اس خانقاہی وفد کے خط میں جس مسئلہ توریث بنات (یعنی بیٹیوں کو حصہ دینے) کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت کے خلاف تھا۔ بہن و بیٹی وغیرہ کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ رواج عام کی وجہ سے اکثر دیندار لوگ بھی اس سے بے خبر اور ناانگن تھے۔ بے عملی کے ساتھ اس مسئلہ سے بے علمی بھی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھا نوحی نے مسلمانان پنجاب کو اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے خصوصی طور پر سعی کے لئے اہتمام فرمایا۔ اور حضرت والا صاحب کو اس اہم کام پر مامور فرمایا۔ حضرت والا صاحب نے ایک رسالہ غصب میراث لکھا اور



تین ہزار کی تعداد میں اس کو شائع کرنا تقسیم کیا اور ایک فتویٰ چالیس پچاس جگہ کے مشابہ علماء سے حاصل کیے کہ ظلم پنجاب کے متعلق عدالتِ وصیت کے عنوان سے دس ہزار کی تعداد میں شائع کرنا پنجاب کے شہروں قصبوں بلکہ بہت سے دیہات میں بھی تقسیم کیا گیا۔ طباعت اور ڈاک میں بھیجنے کے تقریباً تمام اخراجات کا اہتمام حضرت اقدس تھانوی نے فرمایا۔ اور فتویٰ دس سالہ کے ختم ہونے پر دوبارہ کثیر تعداد میں چھپوایا گیا۔ ذیل میں اس سلسلہ کے اہم خطوط نام حضرت حکیم الامت تھانوی درج کئے جاتے ہیں جن سے اس کا اندازہ ہوگا کہ اس مسئلہ کی اشاعت کے لئے کیسی کیسی تنگ و دو اور کس کس انداز کی سعی کی گئی ہے۔

خط لبثوت ملاحظہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا صاحب امت برکات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گزارش خدمت والا درجبت آنکہ کترین شرح ماہ حال میں امرسہ گیا جیسا کہ پیشتر عرض کر چکا ہوں وہاں تبلیغ الاسلام صلح امرسہ نے وعدہ کیا ہے کہ تقریباً نساء کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا جاوے گا۔ بعد ازاں انجمن تعازیہ کے جلسہ میں شریک ہوا اور انجمن راعیان ہند کے اراکین کو جو لاہور اور نواح لاہور میں کہا کرتے اپنی باوری پر زور دیکر یہ قانون وراثت غسوخ کو ادوی اور اسی ماہ میں ان کے جلسہ کما انتظار تھا۔ لیکن وہ آئندہ ماہ یعنی جمادی الاولیٰ کے آخر میں ہوگا۔

احقر عبد الکریم از راچورہ

خط جناب سیدی مرشدی حضرت مولانا صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گزارش والا درجبت آنکہ خاکسار انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں (جگہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ربیع الاولیٰ کو ہونے والا ہے) جاسے کا ارادہ کر رہا ہے کیونکہ وہ عالی شان جلسہ ہوتا ہے۔ اور دور دراز کے باشندے خصوصاً امراء اور وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جن کی کوشش سے قانون

وراثت بدل سکتا ہے۔ اختر نے دس ہزار کی تعداد میں فتویٰ چھپوایا ہے اور رسالہ غصب المیراث کی پرپوں تک تیار ہو جانے کا آج کا پی لگ گئی ہے۔ تین ہزار چھپیکا عبد الکریم از دہلی۔

خط مخدوم وکرم مطاع معظم سیدنا مرشدنا حضرت مولانا صاحب امت برکات السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بیدار تعلیمات و تحیات معرض خدمت والا درجبت آنکہ کترینیاں۔ نا بھ سے ایک عارضیہ حکیم شعبان کو روانہ کر چکے ہیں۔ بیداران برنالہ۔ بٹھنڈہ اور فیروز پور شہر و چھاؤنی و قاضی کا اور منچن آباد۔ وہاں دل نگر و شہر پور، وہاں دل پور اور مظفر گڑھ اور ملتان شہر و چھاؤنی میں جانا ہوا۔ اور سب جگہ بحمد اللہ تعالیٰ خوب اشاعت مسند میراث کی ہوتی رہی۔ کچھ اشخاص ایسے بھی ملے جن کو پیشتر سے اس طرف خیال تھا۔ ان کے خیال و ہمت میں اضافہ ہو گیا۔ اور کچھ نئے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو گئے اور کل بوقت جمعہ ایک شخص کو مسلمان کیا جو کہ بند و تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ او کا ثواب تصور ہوتے ہوئے براہ سہارنپور اور مولوی عبد المجید صاحب حصار اور ریواڑی ہوتے ہوئے حاضر خدمت اقدس ہوں گے۔ دعائے کامیابی فرمائیں۔ فدویاں احقر

فدویاں احقر عبد الکریم گتھلوی، و مولوی عبد المجید صاحب بھراوینی۔

قانون وراثت کی طرف جمعیتہ علمائے ہند کی توجہ دلانا  
جمعیت علمائے ہند کو اس طرف توجہ دلانے کے لئے برابر

تین جلسوں میں شرکت کے لئے حضرت والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا۔ دو جلسوں میں تو مختلف وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی۔ مگر تیسری بار کی شرکت اور کوشش پر جلسہ ۱۳۳۳ھ میں بمقام مراد آباد ایک پر زور تجویز منظور ہو گئی اور شرف السوانح) نوزئیکے تھوڑے ہی عرصہ میں پنجاب اور سرحد اور کسی قدر سندھ کے علاقہ

میں بھی اس مسئلہ کی خوب اشاعت ہو گئی اور حضرت تھانویؒ کی توجہ اور دوماوسی بلیغ کا بہت جلد اثر ہوا اور بہت لوگوں نے اس قانون کو بدلنے کی سعی شروع کر دی اور قیام پاکستان تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔ تاہم ۱۹۴۹ء میں سب سے پہلے پنجاب اسمبلی نے اس قانون کو تشریحی بنیادوں پر منظور کر کے پنجاب میں رائج کیا۔ تبلیغ احکام کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو دستور العمل لفہیم المسلمین کے نام سے شائع فرمایا ہے اس کو بھی اس جگہ مفید عام ہونے کی وجہ سے درج کیا جاتا ہے۔

### تبلیغ احکام کے لئے دستور العمل

- ۱۔ جن کو کلمہ نہ معلوم ہو ان کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھایا جاوے، اور اس کے معنی سمجھائے جائیں۔
- ۲۔ جن کو کلمہ معلوم ہو ان کو اس کے معنی سمجھائے جائیں۔ اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لا الہ الا اللہ اور اس کے ساتھ کبھی کبھی محمد رسول اللہ ضرور پڑھ لیا کریں، حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنا ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔
- ۳۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کو پابندی نازکی اور مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز کی تاکید کی جائے جن کو نماز کا طریقہ نہ معلوم ہو ان کو سکھایا جائے اور ممکن ہو تو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جائے۔ یعنی سبحانک اللہم سے لے کر التحيات اور درود مشرعی دعا تک، اور وضو، پاکی ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جائے۔
- ۴۔ جو پرزکوٰۃ فرض ہے ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے جن پر قربانی واجب ہے ان کو قربانی کی ترغیب دیں

- ۵۔ رمضان شریعت کے روزے کی تاکید کی جائے۔
- ۶۔ جن پر حج فرض ہے ان کو حج کی تاکید کی جائے۔
- ۷۔ ہرستی میں تعلیم قرآن شریعت کے مکاتب ضرور ہونا چاہئیں جن میں تعلیم قرآن کیساتھ اُردو رسائل ہشتی زیور ہشتی گوہر راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائی جائیں۔ تاکہ بچوں کو ضروری حکام کی اطلاع ہو۔
- ۸۔ سب مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے اور کالی گلوچ لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جائے۔
- ۹۔ بستی کے کسی بااثر دیندار کو یا چند بااثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا بیٹا لیا جائے جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھیں، اور امور مذکورہ بالا کو رواج دیں اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو اس کا شریعت کے موافق حل سے پوچھ کر فیصلہ کر دیں اور سب فیصلہ کی تائید کریں۔
- ۱۰۔ جھوٹ، غیبت، حسد و کینہ دشمنی کسی کی بیجا طرف داری، چپقلی خوری کرنا۔ بدنگاہی بے پردگی، شراب نوشی، لڑکوں سے ناجائز تعلقات، سودی لین دین، بیکاری، آوارہ گردی کا انسداد کریں۔ سچ بولنے، باہم تواضع و محبت کا برتاؤ کرنے، انصاف و عدل پر مضبوطی کے ساتھ جتنے رہنے اور جائز فرائض مسائش میں لگے رہنے کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں۔ تنگی برداشت کریں۔ مگر حنفی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں۔ تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت کرنے والے پر امن و تسنن نہ کریں بلکہ اس کی ترغیب دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ کسی جائز پیشہ کو کبھی عار نہ سمجھیں۔ بیکاری اور سوال کی ذلت (خواہ فرض ہی کا سوال ہو) کے مقابلہ میں مقابلہ میں گھاس کھودنے کو ترجیح دیں۔ اور بیک عمل اختیار کرنے کی خود

بھی کوشش کریں۔ اور دوسروں کو بھی تائید کرتے رہیں۔

ک۔ جزیۃ المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم دین، محاسن الاسلام، بہشتی زیور کو مہلا میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین دوسروں، طلبہ والوں اور سب بندگانِ خدا کو پہنچاتے رہیں۔

ل۔ جو علماء کسی دینی خدمت، درس و تدریس، تالیف و تصنیف وغیرہ میں مشغول ہیں۔ وہ بھی اپنے ملتے جلتے میں بندگانِ خدا کو احکام پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات جیسے جمعہ کی تعطیل، طویل رخصت کا زمانہ ہے اس میں وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگانِ خدا کو احکام پہنچانا۔ اپنا فریضہ جابئیں۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس دستور العمل کی خصوصیت و افادیت و نا فہیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "تبلیغ کے اس دستور العمل کی بڑی خصوصیت وہی ہے کہ کلمہ اور ارکانِ اسلام کی اقدیمیت و اہمیت کے باوجود حضرت جامع المجددین کے پیش نظر جامع و کمال دین کی جامع و کمال تجدید و اصلاح ہے اور اس کی تفصیل میں ایمان و عمل، معاش و معاشرت، اخلاق و معاشرت کی موٹی باتوں کا ایک سہل قابل عمل نظام العمل تجویز فرمایا گیا ہے جس میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو کچھ ہو مضبوط و موثر بنیادوں پر ہو۔ اگر اس کو مسلمان اب بھی مضبوطی کیساتھ تمام لیں تو انشاء اللہ کسی سے مقابلہ و مقابلہ کے بغیر ہندوستان و پاکستان بلکہ سارے اسلامی ممالک کی دس سال کے اندر کا پاپٹ جانا۔ یقینی ہے۔"

حضرت مولانا مرحوم ندوی مزید فرماتے ہیں کہ نفس تبلیغ عام کی جس رسمیت حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی نظر میں تھی۔ اس کا اندازہ اس مختصر مضمون

لے تجدید تعلیم و تبلیغ

سے کیا جاسکتا ہے، جن میں تفہیم المسلمین کے عنوان سے حضرت نے اس کی ضرورت و اہمیت کی طرف عموماً سارے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے اور اپنے کشف برداروں کو خصوصاً تائید فرمائی ہے۔ البتہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے پیش نظر کمال دین کی کمال اصلاح و تجدید تھی اس لئے اس تبلیغ عام میں بھی خالی کمر طیبہ اور نماز۔ روزہ زکوٰۃ و حج ہی کی نہیں بلکہ دیگر احکام کی تبلیغ کو بھی شریک فرمایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تبلیغ کے شرائط اور آداب پر بھی پوری طرح توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کے علاوہ ملفوظات میں بھی جا بجا ان شرط و آداب کی تعلیم دی گئی ہے۔ چند ملفوظات کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ملفوظ ۴۹۳۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغ وہاں فرض ہے، جہاں تبلیغ نہ ہوئی، جو اور جہاں تبلیغ ہو چکی ہو۔ وہاں اس میں استحباب کا درجہ ہے جیسے ایک شخص کو معلوم نہیں کہ سنکھیا مفرد اور سبب ہلاکت کا ہے اس کو تو بتلانا فرض ہے اور جس کو معلوم ہو اس کو بتلانا فرض نہیں۔ ویسے اگر اس کو کھاتے دیکھے اور بتلاوے تو تبرع اور احسان ہے۔ ملفوظ ۴۹۳۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے ہوں گے، اس میں تشدد کا لہجہ ہوگا۔ تبلیغ بھی شخص کا کام نہیں لیکن اگر پھر بھی قصد ایسا کرتے ہو تو پھر تیار ہو جاؤ جو کچھ بھی سر پر پڑے اس کو برداشت کرو۔ اور اگر بہت وقت برداشت کی نہیں تو کہنا سنا چھوڑ دو۔ کیونکہ جس شخص کو احکام پہنچ چکے ہوں۔ اس کو تبلیغ کرنا کوئی فرض نہیں واجب نہیں غرض ایک مستحب فعل کی وجہ سے اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے جس کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ ناصح اگر عالم نہ ہوگا اور نصیحت کرے گا تو اس میں بھی تکبر ہوگا کیونکہ وہ اس خیال سے نصیحت کرے گا کہ میں اس سے اچھا ہوں تو اس کا اثر بڑا ہوگا

لے تجدید تعلیم و تبلیغ لے افاضات الیومیہ جلد ۵ صفحہ ۳۵

مناسب طریق سے نصیحت کرنا یہ عالم ہی کا کام ہے۔ دوسرے فطری طور پر مخاطب کے قلب میں اس کی عظمت و محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی سختی بھی گوارہ کر لی جاتی ہے۔ غرض اہل علم کی عظمت ایک امر فطری ہے۔ عوام پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے عالم کی کسی تدبیر سختی کو بھی جھیل لیتے ہیں۔ محکمے علم کو ایسا کرنا نہیں چاہیے کہ وہ تبلیغ میں تشدد کرے۔ ص ۹۲، ۹۳، ۹۴۔

ملفوظ ۱۳۲ - فرمایا کہ آجکل غیر اہل فن بھی فن میں دخل دیتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے ان کے بے عمل دوسرے شخص کو نصیحت کرنے پر باز پرس کی تھی تو وہ مجھ سے کہنے لگے۔ کہ امر بالمعروف بھی تو عبادت ہے اور عبادت ہی کے واسطے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں میں نے کہا عبادت کے کچھ شرائط اور حدود بھی ہوتے ہیں یا نہیں مثلاً نماز بھی تو عبادت ہے۔ اگر کوئی بے وضو نماز لگے تو کیا صحیح ہو جاوے گی۔ اسی طرح امر بالمعروف کے بھی شرائط ہیں، انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت ناصح اپنے کو مخاطب سے کمتر اور بتر سمجھے، ایسا شخص امر بالمعروف کر سکتا ہے کیا تباری اس وقت یہ حالت تھی؟ کہنے لگے نہیں، میں نے کہا کہ جب شرط نہ پائی گئی تو پھر عبادت کہاں ہوئی۔

مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مرحوم ارتقا فرماتے ہیں۔  
"اصولی طور پر دعوت و تبلیغ کی دو قسمیں قرار دی گئی ہے۔

۱، عام (۲) خاص۔ عام سے مراد وہ ہے جس میں کسی خاص شخص یا اشخاص کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کیا جائے۔ جو فرض کفایہ ہے۔ اور جس کا امر-ولتکن منکرامۃ یدعون الی الخیر الخ اور قلولا نصرا من کل فرقتہ منہم طا ئفہ وغیرہ تصوم میں فرمایا گیا ہے۔ اور تبلیغ خاص سے مراد وہ دعوت یا

لے افادات الیومیہ جلد ۲ ص ۸۳

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ جس کا خطاب کسی خاص شخص یا اشخاص خصوصاً اپنے نزاع یا ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جن پر کسی طرح کے امر و حکم کی قوت و اثر حاصل ہے۔ یا جن سے کلکھ دافع و کلکھ مسئول عن رعیت کے تحت راعی و رعیت یعنی نگران و زیر نگران کا جیسے بیوی بچے، نوکر جاگر، شاگرد و مرید وغیرہ جو کسی طرح ہمارے تحت ہیں اور جن کی صلاح و فلاح کی ہم پر کچھ ذمہ داری ہو اور جن کے حق میں اگر ترغیب سے کام نہ چلے تو ترہیب سے بھی کام لے سکیں۔ جس کو ایک دوسری مشہور حدیث میں تغیر بالید سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی جہاں کسی منکر یا برائی کے مٹانے میں ہم کو قوت و طاقت حاصل ہو۔ وہاں بالید یا قوت سے مٹانا ہمارے ذمہ ہے۔ تبلیغ خاص راعی و رعیت کے تعلق و مسئولیت و مواخذہ کے اعتبار سے فرض عین ہے یعنی ہر شخص پر فرض ہے۔

آگے چل کر ارتقا فرماتے ہیں۔ "راقم بذائقہ نزدیک اگر مسلمانوں کو اس تبلیغ خاص یا اپنے اپنے توابع اور زیر دستوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنے کا ذرا منظم طریقہ سے انتظام ہو۔ تو یہ طریقہ قابل بھی زیادہ ہے اور پائیدار بھی۔ بس اس کی تنظیم ہو مگر ہر گاؤں یا قصبہ و شہر کے ہر محلہ میں حضرت تھانوی کے مقرر فرمودہ نظام کے ذریعہ ہر ہر گھر کے راعی کی انفراداً یا اجتماعاً اصلاح پر زیادہ زور دیا جائے جس کے بعد پورے گھر کی اصلاح خود راعی کی ترغیبی و ترویجی تدبیر سے از خود بسہولت ہو جائے گی۔"

آگے مولانا ندوی اس تبلیغ خاص کی طرف بے توجہی کا شکوہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ عوام کا تو کیا ذکر خواص اہل دین اور علما سے سوال ہے کہ وہ دعوت خاصہ کے فرض کو کہاں تک ادا فرماتے ہیں۔ احقر نے تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے علاوہ مشکل سے ہی کہیں دیکھا ہوگا کہ یہ خواص بھی اپنے محکوم اور زیر نگران لوگوں، اہل و عیال وغیرہ کو

نرمی یا سختی سے جس طرح بنی پڑھے اتباع احکام پر آمادہ یا مجبور کرتے ہوں۔  
 ظاہر ہے کہ جو کسی طرح کسی کے زیر اثر ہے وہ لازماً اس کے اثر کے موافق اس کی  
 بات کو زیادہ ماننے اور قبول کرنے پر بھی مائل و مجبور ہوگا۔ اور قدرۃً اس کی زیادہ سہولت  
 کے ساتھ زیادہ اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے۔ نیز خود اپنی ذات کے بعد جس کی اصلاح  
 اصلاح سب سے زیادہ اپنے اختیار و قدرت میں ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے زیر اقتدار  
 توابع ہو سکتے ہیں اور تکلیف چونکہ امور اختیار یہ ہی کی بقدر اختیار و سماعت ہے۔ لہذا  
 اپنے ساتھ ساتھ بالذات و براہ راست اپنے توابع کی اصلاح کے بھی ہم مکتف و مسئول  
 ٹھہر لے گئے ہیں۔ امر بالمعروف کا وجود بھی بدرجہ اولیٰ اور خصوصاً بالید یعنی حسب اثر  
 و اقتدار اور حسب موقع اور محل استعمال توت کے ساتھ یہ بھی توابع یا خواص اپنے  
 زیر نگرانی و رعیت ہی کے لئے ہے۔ دوسرے کے لئے باللسان، یا زبان سے مامور  
 ہے۔ وہ بھی بعض صورتوں میں صرف مستحب اور بعض میں مرے سے ممنوع، باقی ایمان کا  
 آخری درجہ بالقلب ہے یعنی جہاں ہاتھ اور زبان سے کام نہ لیا جاسکتا ہے وہاں کم از  
 کم دل سے برائی کو برا جانے اور تا حد امکان اس سے دور و نفور رہنا ایمان کا کم سے کم  
 یا آخری درجہ ہے۔

اب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی تبلیغ و دعوت میں اصلاح و  
 تجدید کا خلاصہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے قلم سے رقم فرمودہ ذیل  
 میں درج کیا جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ”مجدد وقت کی تجدید فرمودہ کتاب و سنت  
 کے اسلامی نظام ہدایت کے موافق ہر فرد مسلم کا پہلا اصلاحی فریضہ یہ ہے کہ خود اپنی  
 اور اپنے توابع کی اختیاری و جبری اصلاح کے کام کو لے بیٹھے۔ جب افراد کی اصلاح  
 و اختیاری طریقہ سے اصلاح ہوگی تو ایسے صالح افراد کو جس جماعتی کام میں لگایا جائیگا

وہ بھی آپ سے آپ اصلاح و صحت کے ساتھ انجام پائے گا۔ اس آسان و  
 اختیاری طریقہ کو چھوڑ کر مشکل و غیر اختیاری کے پیچھے پڑنا گاڑی کو گھوڑے کے  
 آگے جرتا ہے۔

اب جو افراد اتنے سنا و تمند ہوں کہ ان سطور اور ان کی ضروری تفصیل  
 اوپر کتاب میں پڑھنے ہی سے چونک کر خود اپنی اور اپنے توابع کی اصلاح کے  
 لئے کمر کس لیں۔ اور کم از کم اردو اچھی جانتے ہوں۔ ان کے لئے سیدھا راستہ  
 یہ ہے کہ پہلے حضرت کے کچھ ملفوظات و مواعظ پڑھنا۔ اور گھر والوں کو پڑھانا  
 یا سنا شروع کریں۔ انشاء اللہ اس سے سب کو اپنی اپنی اصلاح و آخرت کا  
 خیال پیدا ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے حضرت تھانویؒ کی چیزوں کو کھلے دل و باغ  
 سے دوچار سو صفحہ بھی پڑھ لئے راقم ہذا کا بلا استثناء تجربہ ہے کہ ان کو اپنی اصلاح  
 کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور پیدا ہو گیا۔ پھر اگر قصداً چھوڑ نہیں دیا تو راستہ پر پڑ گئے  
 اس کے بعد روزمرہ کی ضروریات کے بقدر احکام دین کے جاننے کے لئے حضرت نے  
 اردو ہی کی چند کتابوں کا ایک مختصر نصاب مقرر فرما دیا ہے۔ جس پر پورا وقت دینے  
 والا ایک چلہ میں دن بھر جو جتنا وقت دے سکے۔ اس کے اعتبار سے دو چار مہینوں  
 میں پورا کر لے سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایسے عام لوگوں کو حضرت کی خاص ہدایت  
 یہ ہے کہ وہ اس نصاب کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ورنہ پھر جہاں جہاں  
 شبہات واقع ہوں۔ نشان لگائیں اور کسی عالم سے ان کو حل کر لیں۔ دوسرے  
 کسی اچھے دیندار عالم سے وقتاً فوقتاً ملاقات یا کم از کم مکاتبت کا تعلق ضرور رکھیں اور  
 حسب ضرورت نامعلوم مسائل۔ و احکام کو وقت ضرورت ان سے حل کر لیں کہ معلوم  
 کر کے عمل کرتے رہیں۔

اس خلاصہ کے بعد حضرت حکیم الامت کی کتابوں کو اصلاح احوال میں جو مقام حاصل ہے۔ اس کے بارے میں مولانا ندوی مرحوم یوں رقمطراز ہیں۔

”چونکہ حضرت کی کتابوں خصوصاً مواعظ و ملفوظات سے لوگوں میں بالعموم اپنی بد حالی کا احساس اور اصلاح حال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے ابتدائی طلب دین و اصلاح کا خیال پیدا کرنے کے لئے اس کتابی عہد میں حضرت کی کتابوں کو مختلف شوثر و مقبول اسالیب و عنوانات سے ہزار ہا ہزار کی تعداد میں شائع کرنا کہ لاکھوں ہاتھوں تک پہنچیں اور کورٹوں میں پڑھی پڑھائی اور سنی سنائی جائیں بجائے خود انشاء اللہ ایک عام دینی بیداری اور عمومی انقلاب و اصلاح کا ذریعہ ہو گا“

مولانا ندوی مرحوم نے اس جگہ ایک

بہت ہی اہم خرابی کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ فرمایا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا اصلاحی کام کرنے والوں کو اس کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری اور مفید ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کام کے بجائے نام کی اس نگر و طلب کی بدولت ہر چھوٹے بڑے، اصلاحی و اجتماعی کام میں ایک بڑی خرابی پیدا ہو گئی ہے کہ وقت و قوت کو کفایت سے زیادہ کم کے حصول یا عمق اور گہرائی سے زیادہ کام کے طول و عرض اور پھیلاؤ پر صرفت کیا جاتا ہے اجتماعی اور مستندہ خدمات میں یہ زہر دانستہ یا نادانستہ اتنا سہرا ت کر گیا ہے کہ بعض خالص دینی جماعتیں اور ان کے مخلص ترین کارکن تک اس کے تعدیہ سے محفوظ نہیں۔ ایک طرف تو ایک گھر ایک محلہ یا ایک بستی کا اصلاحی کام پورا نہیں ہوتا۔ اور دوسری

طرف سارے ملک کے طول و عرض میں دوڑا اور دوروں پر زور ہوتا ہے۔

مولانا ندوی مرحوم کا مقصد ملک کی تبلیغی دوروں کی نافییت و افادیت

طول و عرض میں تبلیغی دوروں کی نافییت اور ان کے مفید ہونے کی نفی کرنا ہے۔ بلکہ تبلیغی جدوجہد میں طول و عرض کی بجائے عمق اور گہرائی کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ترغیب دینی ہے ورنہ بصورت موجودہ بھی مولانا مرحوم کو ان دوروں کی فی الجملہ نافییت اور افادیت مسلم ہے۔ جیسا کہ تخریر فرمایا ہے ”اصل یہ ہے کہ طول و عرض کے ساتھ کام کے عمق و رسوخ باگہرائی۔ اور پختگی پر مزید توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ گشت کی صورت بھی ایک آمدھی کی ہی ہوتی ہے۔ کہ آئی اور نکل گئی جب تک مسلسل و مستقل انتظام و سعی سے خود گشت کے مقام پر مقامی جماعت ایسی تیار ہو جائے جس میں اس کام کی لگن ہو اس وقت تک ایسے سرسری گشتوں سے کبھی پائیدار نفع نہیں ہوتا“

مولانا مرحوم کی اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ کہ ان بیرونی دوروں سے بھی زیادہ مقامی طور پر اصلاحی کام کی اہمیت اور اہمیت اور کام کے طول و عرض کیساتھ عمق اور پختگی پر زور دینا چاہئے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ جب مقامی طور پر اصلاحی کام عمق اور گہرائی اور اس کے پورے آداب و شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے گا تو اس عمل سے علاوہ مقامی افراد کی اصلاح کے ایسے رجال کار اور بلا صیلا افراد بھی مہیا اور تیار ہوں گے۔ جن سے اگر بیرونی دوروں میں کام لیا جائے تو دوروں کی نافییت اور افادیت میں دوروں کی مروجہ صورت کی بنسبت بدرجہا اضافہ ہو جائیگا اور مقصد تبلیغ بہتر سے بہتر طریقہ پر حاصل ہو سکیگا۔ چنانچہ مولانا مرحوم کی عبارت ذیل میں اس کی افادیت کی صراحت موجود ہے ”نفس طول و عرض کی افادیت میں بھی

کلام نہیں۔ حتی بات کا ایک بار بھی کان میں پڑ جانا بڑی بات ہے لیکن ثمرات نو گہرائی اور پختگی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بخجوری کے | مولانا ندوی مرحوم کے اس افادات اور تبلیغ کے طریق کار کی وضاحت

مقامات پر تبلیغ کے طریق کار کی مزید وضاحت کے لئے اس جگہ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بخجوری دام فضلم کی شرح بخاری سے چند اقتباسات کو مفید سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا موصوف، تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیابی عملی پروگرام کے تحت فرماتے ہیں: "اس کے لئے طریق کار وہی بہتر ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنے کنبہ و قبیلہ میں، پھر محلہ میں، پھر اپنی بستی میں تبلیغ و اصلاح کا فرض انجام دیا جائے، پھر اپنی قریبی بستی تک جا کر یہ خدمت ادا کی جائے اور اس طرح اگر کچھ عرصہ میں ہم اپنے پورے ملک میں تبلیغ و اصلاح کا جال بچھایا چکیں تو اس کے بعد دوسرے قریب اور پھر دُور کے ممالک میں کام کریں، اپنے قریبی حلقوں کو چھوڑ کر اگر دُور دراز کے خطوں میں کام کرنے کو ترجیح دی گئی تو اس پر مظاہرہ اور نمائش تو زیادہ ہے مگر بہتر کام اور کامیابی کی نواقات بہت کم ہیں۔"

نیز تبلیغی سفر اور موجودہ تبلیغی تحریک کے سلسلہ میں چند گزارشات کا عنوان قائم کر کے فرمایا ہے کہ "فریضہ حج و زیارت طیبہ کے بعد دینی نقطہ نظر سے جس سفر کی سب سے زیادہ اہمیت و ضرورت ہے وہ تبلیغی سفر ہے۔۔۔۔۔"

۔۔۔۔۔ لیکن اس سلسلہ میں ہماری چند گزارشات ہیں پھر (۲) میں حسب ذیل گزارش کی گئی ہے۔ تبلیغی مرکز سے صرف اس امر پر روز دیا جاتا ہے کہ چلہ روز

سہ تجدید و تبلیغ ص ۱۳۹ لے انوار الباری جلد ۱

حالانکہ ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس طویل مدت میں جتنے لوگوں نے چلے دئے ہیں وہ تربیت و اصلاح سے فارغ بھی ہو چکے ہیں۔ اور تبلیغ کا تجربہ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان پر زور دیا جائے کہ وہ مقامی طور پر کام کریں پہلے اپنے شہر اور قریہ کی مسجدوں کو محور کریں، دینی تعلیم روزانہ یا ہفتہ وار گشت اور اجتماع پر روز دیں۔ اس طرح جو لوگ آئندہ چلہ دیں گے وہ زیادہ تعلیم یافتہ اور تبلیغ کے لئے اہل و مفید ہوں گے۔۔۔ مرکز کی طرف سے پہلا زور ہر جگہ کی مقامی تعلیم و تبلیغ پر دیا جائے۔ پھر مقامی کام کرنے والوں میں سے باصلاحیت منتخب ہو کر باہر نکلا کریں۔ اس طرح یہ کام بہت جلد آگے بڑھ سکتا ہے۔ اور جو کامیابی اب تک تیس سال میں نہیں ہوئی۔ وہ آئندہ دس سال میں ہو سکتی ہے جو طریق کار برسوں سے اب تک چلا گیا۔ کہ ہر جگہ کے لوگوں سے پہلا مطالبہ چلہ کا ہونا ہے۔ اور ان کو بغیر دینی تعلیم اور تربیت ہی کے۔ یعنی لگاتار، مدارس وغیرہ بھیجا جاتا ہے۔ اور وہ بہادری سبیل اللہ کا ثواب حاصل کر کے۔ اپنے وطن میں آ کر فارغ و مطمئن بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے حج کے سفر سے فارغ ہو کر لوگ اپنے کو فارغ البال سمجھ لیتے ہیں۔ اس کے جزوی اور عارضی فائدہ کا انکار نہیں، لیکن جتنے زیادہ اور عظیم فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ حاصل نہیں ہو سکے۔ بہر حال ہماری رائے یہی ہے کہ ہر جگہ کے مقامی کام پر ہی پہلی توجہ مرکوز ہو، مرکز سے بھی سب سے پہلا مطالبہ ہی ہو۔ تبلیغی جماعتیں بھی ہر جگہ پہنچ کر اس امر کا جائزہ لیں کہ مقامی کام کتنا ہو رہا ہے اور دیندار لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیں، ذمہ دار بنائیں۔۔۔۔۔ (۳) تبلیغی جماعتوں کے جو لوگ ہر جگہ پہنچ رہے ہیں وہ اکثر دین و علم سے ناواقف ہوتے ہیں اور وہ تبلیغ کے فضائل یا شرعی مسائل۔ غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف یہ کہ ٹھوس علمی و دینی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مضر اثرات بھی پڑتے ہیں۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ تبلیغ دین ایسے اہم و عظیم الشان کام کی ترقی و کامیابی کے لئے کچھ ضروری اصلاحات بھی پیش نظر ہوں تاکہ موجودہ منفعت سے سگنی چہارگنی منفعت حاصل ہو۔ خدا نخواستہ یہ مطلب نہیں ہے کہ اتنے بڑے کام کی ضرورت و اہمیت و افادیت سے انکار ہے۔

غرضیکہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہر شخص کے ذمہ اپنی اصلاح کے ساتھ سب سے پہلے اپنے ان توابع اور اپنے زیر دستوں کی اصلاح کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ جن پر اس کو کسی نہ کسی طرح کی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ اور ان پر اس کو مامور و راعی بنا یا گیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں وہ مستولی بھی ہے۔ اس کے بعد حسب فرصت و قدرت اپنے شہر اور قرب و جوار کے اصلاحی کام میں مشغول ہونا چاہیے اور اس میں بھی ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ مقامی طور پر لوگوں کی دینی اصلاح اور تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے اور ان کی روزمرہ کی دینی ضروریات کی تعلیم کو مقدم رکھا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر روز یا ہفتہ وار حضرت حکیم الامت تھانوی کے اوپر کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اردو کی ان کتابوں کو سنانے، یا پڑھانے کا انتظام کیا جائے جن سے دین کے ضروری مسائل کی تعلیم کو مقدم رکھا جائے جن کا سیکھنا زیادہ ضروری ہے مقامی طور پر اس ترتیب سے اصلاحی کام کرنے کے بعد جن لوگوں کو دین کے مسائل سے

حاشیہ: از حضرت مفتی جلیل احمد صاحب تھانوی دام فیضہ مفتی جا مسافر شریف لاہور

یعنی اس طریقہ سے طلب دین تو پیدا ہوتی ہے جس کی بحد ضرورت ہے اب اس کو آگے صحیح طریقہ سے کام پر لگانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ خطہ ہے کہ حق کے نام سے باطل پھیلانے والوں کے شکار بن جائیں جیسے کہ کچھ واقعات سننے میں آئے ہیں۔ اور اس کا بھی خطرہ ہے کہ طلب سنت پڑکھو نہ ہو جائے۔ اس لئے کام آگے اور قاعدہ سے بڑھانا لازمی ہے۔ ورنہ بجائے نفع کے خطرہ نہ سامنے آ جاتے۔ اس کام میں سب ایک سو ہو کر جینی ماحول میں رہ کر دین کو عملی طور سے سیکھنا ہے بھر قاعدہ میں ڈومروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ آگے قدم بڑھاتا ہے کہیں تک نہ رہ جائیں۔

واقفیت حاصل ہو جائے۔ ان میں سے سمجھ دار لوگوں کو قرب و جوار میں بھی دینی ضروریات کی تعلیم کے لئے بھیجا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ مفید ہوگا۔

عمومی اصلاح کا آسان طریقہ کا اس طریقہ سے اصلاحی کام کرنا آسان ہونے کے علاوہ عام بھی زیادہ ہے اس میں ہر شخص اپنی ذمہ داریوں اور معاشی ضروریات میں مشغولی کے ساتھ بھی شرکت کر سکتا ہے اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال سکتا ہے اس طرح ہر شخص کو بقدر ضرورت علم دین کے سیکھنے کا موقع میسر آ سکتا ہے اور کسی شخص کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں مشغولیت و مصروفیت کا عذر دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے اور ضروریات دین کے سیکھنے میں حائل نہیں ہو سکتا یہ طریق کار ایسا ہے کہ ہر شخص اپنی روزمرہ کی مصروفیتوں کے ساتھ اس کو نباہ سکتا ہے، اور اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اس طریقہ پر عمل پیرا ہو سکتا ہے جس طرح اب ہر عامی اور ناواقف شخص سے باہر نکلنے اور چلنے دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا، کہ ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں سے فراغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں صرف وہی لوگ استفادہ کر سکتے ہیں جن کو فراغ حاصل ہے۔ حالانکہ ضرورت ایسے لوگوں کو بھی دینی تسلیم دینے کی ہے جو عید الفرج میں اور اپنے کاروبار سے ان کو فراغت حاصل نہیں ہے۔

ایسے لوگوں کی ضروری دینی تعلیم کا انتظام اول تو ہر قریہ یا ہر بستی میں مقامی طور پر ہی ہونا چاہیے۔ اور اگر مقامی طور پر ایسا نہ ہو سکے۔ تو جمہوری میں قریب ترین کسی قصبہ اور شہر میں جہاں ایسا انتظام موجود ہو یا ہو سکتا ہو کہ دین کی ضروری ضروری معلومات حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ اپنے ضروری کاموں

۸۰-۱۳۱۔ دن صرف چند گھنٹوں کے لئے ہی دعوت دی جائے پھر ترقی کرانی جائے

از حضرت مفتی جلیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ۔



کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کا فرض بھی ادا ہوتا ہے۔ اور اپنے روز مرہ کے ضروری کاموں میں بھی زیادہ خلل واقع نہ ہو ایسے اشخاص کو دور دراز کے اسفار کیلئے تیار مشکل بھی ہوتا ہے کہ اس میں اپنے کاموں کو کچھ دنوں کے لئے ترک کرنا پڑتا ہے اور آخر بات کا بار بھی اٹھانا پڑتا ہے جس پر ہر شخص آسانی کے ساتھ تیار نہیں ہو سکتا اور دینی ضروریات کے جلتے قیام پر یا اس سے قریب ترین مقام پر ٹھہری کرنے کا انتظام موجود ہوتو ایسی صورت میں کسی شخص کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقامات بعیدہ میں جانے پر مجبور کرنا اور دور دراز کے طول طویل اسفار پر اصرار کرنا شرعی قاعدہ سے ضروری بھی نہیں رہتا کیونکہ یہ سفر با تو خود دینی ضروری معلومات کے حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یا یہ سفر دوسروں کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔

پہرہ صورت اگر تعلیم یا تعلم کا یہ مقصد مقامی طور پر یا قرب و جوار کے کسی مقام پر حاصل ہو سکتا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دور دراز کے سفر اور اس کے اخراجات پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ اور نہ ہی شرعاً یہ بات کسی پر لازم ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی خاص جگہ یا کسی صورت کو اختیار کیا جائے بلکہ جس جگہ اور جس صحیح صورت سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہو اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

**ماحول کا اثر** اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ماحول کا اثر اچھا یا بُرا ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے دینی ماحول میں رہنے کا اثر بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور خانقاہوں یا مدارس دینیہ میں رہنے کا اثر وہاں کے ماحول کے مطابق کم و بیش وہاں کے رہنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان تبلیغی دوروں اور دور دراز کے سفروں میں بھی ساتھیوں اور ماحول سے متاثر ہونا بھی لازمی ہے۔ اب اگر سفر کے ساتھی اور رفیق عمدہ اعمال و اشغال کے پابند ہیں اور ان کو دینی ضروریات سے واقفیت اور دین سے محبت

اور تعلق ہے۔ تب تو ایسے ماحول سے یقیناً دین سے تعلق اور واقفیت بڑھے گی، اور اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی طرت تو یہ بھی ہوگی، اور اس طرح دوروں اور سفروں کا یہ فائدہ ان سفر کرنے والوں کے حق میں یقیناً فائدہ مند اور قابل اعتنا ہے۔ اور ہزاروں بندگان خدا کے اعمال و اخلاق کی اصلاح بھی اسی طریقہ پر عمل کرنے میں مشاہدہ میں آرہی ہے۔ مگر یہ ایک آخسانی طریقہ ہے اس کو لازم اور واجب قرار دینا حد سے تجاوز کرنا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایسے شخص کے لئے اس طریقہ کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اپنی ضروری اصلاح اور دینی معلومات کے حاصل کرنے کا میسر نہ آ رہا ہو اور صرف ہی طریقہ اس کے لئے رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ ان دوروں میں دینی ضروریات کی تعلیم کا خاص اہتمام بھی کیا جاتا ہو اور فضائل اعمال کے ساتھ ساتھ مسائل ضروریہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے ورنہ توبہ دورہ صرف تحصیل فضائل کے لئے ایک مستحب اور مستحسن عمل ہوگا۔ لازم و واجب نہ ہوگا۔

**تبلیغی دوروں کی شرعی حیثیت** | اس تفصیل مذکور سے ان مرد و عورتین کی توبہ جاتی ہے کہ جس شخص کے لئے اپنی اصلاح اور دینی ضروری معلومات کے حاصل کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ میسر نہ آ رہا ہو۔ اس کے لئے دینی ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے ایسے دوروں میں شریک ہو کر ضروری معلومات کا حاصل کرنا۔ ضروری ہے اور جس شخص کو کسی دوسرے ذریعہ مساجد کے اماموں عالموں کی صحبت اور مدارس دینیہ یا خانقاہی طرز کی تعلیم و تہذیب وغیرہ سے اپنی اصلاح اور ضروریات کی تکمیل کے مواقع حاصل ہو رہے ہوں۔ اس کے لئے بعض حالات میں یہ دوروں کا سفر ایک عمل مستحسن اور مستحب تو ہوگا مگر شرعاً اس کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا جاسکتا۔



میں دینی خدمات کو منحصر سمجھ لینے کا سبب کم علمی ہی ہوتا ہے۔ مگر بسا اوقات اہل تبلیغ کے عمائدین اور قائدین کے تقریری اور تحریری عنوانات بھی مخاطب کے لئے ایسی ہی غلط فہمی کا موجب بن جاتے ہیں۔ اور مخاطب یہ تاثیر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ دین کی خدمت اسی طریقہ میں منحصر ہے یا کم سے کم سنت کے موافق دین کی خدمت کا یہی واحد طریقہ ہے

**تعلیم و تعلم کے سنت طریقے**  
حالانکہ تبلیغی دوروں کے علاوہ تقسیم و تعلم کے مروجہ طریقوں کا بھی سنت میں پایا جانا اہل علم سے مخفی نہیں ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سدا پامعلم ہے اور آیت قرآنی **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم **اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا** میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعلیمی منصب کو بعثت کا مقصد قرار دیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملکی زندگی میں جس طرح چل پھیر کر قبائل عرب میں تبلیغی فریضہ انجام دیا ہے۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں دارالرقم خزیوہ میں اور مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ قائم فرما کر تعلیم مدارس کے لئے سنت میں مثال قائم فرمادی ہے اور یہ مدارس دینیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی منصب کی نیابت کا حق بقدر قدرت استقامت ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس تعلیمی و تدریسی طریقہ کو سنت کیوں نہیں کہا جائیگا اور سنت طریقہ کو صرف چل پھیر کر تعلیم و تعلم ہی میں منحصر سمجھنا کیسے صحیح ہوگا۔ بہر حال عمومی تعلیم و تعلم کا یہ مروجہ طریقہ مستحسن اور مشرفرات ہونے کے باوجود نہ تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور نہ ہر شخص کی قدرت و اختیار میں ہے کہ اس پر ہر شخص عمل کر سکے اور نہ ہی تعلیم و تعلم کا سنت اور نبوی طریقہ اس میں منحصر ہے بلکہ اکثر حالات کے اعتبار سے یہ طریقہ بھی جملہ دوسرے مستحسن اور مفید طریقوں کے ایک طریقہ دین کی عمومی تعلیم و تعلم

کا ہے۔ اسی لئے بانی تحریک، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے بقول مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی اپنی اس تحریک اور جدوجہد کو دین کے مدارس اور دوسرے اداروں کے لئے زمین ہموار کرنے اور سیراب کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے نزدیک دین کے تمام شعبے اور مسلمانوں کی دینی زندگی کے دوسرے مظاہر و مناظر یہ سب باغات کا حکم رکھتے ہیں۔ جو اس زمین پر لگائے جاسکتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنے مکتوبگے امی میں ارشاد فرمایا ہے۔

”دین کے ادارے اور دین کے جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب (دینی امور) کے لئے تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ) ملک بہ ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا، بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے۔ اور دیگر جتنے بھی امور ہیں۔ وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں۔“

دین کے جن شعبوں کو حضرت مولانا مرحوم بمنزلہ دین کے باغات کے قرار دیتے ہیں، اور اپنی تمام تر تبلیغی جدوجہد اور ملک بہ ملک نقل و حرکت کو ان باغات کے لئے بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے تصور فرماتے ہیں تو پھر ان باغات سے کسی صورت میں بھی کہے صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زمین کو ہموار کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس پر باغات کو لگایا جائے تو اب اصل مقصد سے صرف نظر کر کے زمین کو ہموار کرنے ہی میں تمام توانائیاں اور سارا وقت صرف کر دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ طبعی طور پر عملی ترتیب تو یہی ہونی چاہیے کہ جس جگہ جس قدر قدر لئے دینی دعوت ۲۹۲

زمین ہموار ہوتی چلی جائے۔ وہاں وہاں اسی قدر دین کے ان باغات کو لگاتے چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح زمین کو ہموار اور درست کئے بغیر باغات پرورش نہیں پاسکتے اور نہ وہ بار آور مقرر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح زمین کو ہموار کر کے یوں ہی چھوڑ دینا اور اس زمین پر باغات کو پرورش نہ کرنا بھی زمین کی صلاحیتوں کو ختم اور اس کو برباد کر دینے کے مترادف ہے اور زمین کو ہموار کرتے ہی چلے جانا اور اس پر تخم ریزی نہ کرنا وسیلہ اور ذریعہ کو مقصد اور راستہ کو منزل قرار دے لینا ہے۔

**حقوق العباد کا لحاظ** ان دوروں اور سفروں کو اختیار کرنے والوں کو اس بات کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ ان اسفار کی وجہ سے کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو۔ اور اہل و عیال اور جن جن کے حقوق اور ذمہ داریوں کا بوجھ شرعاً اس کے کا نہ صوں پر ڈالا گیا ہے ان میں کوئی نہ کی جائے۔ بلکہ تمام حقوق کی ادائیگی کا انتظام کر کے ایسے اسفار اختیار کئے جائیں کسی حق واجب کو فوت کر کے ایک امر مستحب کو ادا کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی فرض عین کو ترک کر کے فرض کفایہ کی طرف توجہ کرنا درست ہے اور اگر کسی شخص کے لئے اس قسم کا سفر دینی ضرورت اور دینی مصالح کی وجہ سے واجب و لازم ہو تو بھی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور حقوق واجبہ مثل نان و نفقہ کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ ایسے شخص کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہو گا جس سے بقدر ضرورت دینی اصلاح کے ساتھ حقوق واجبہ کی ادائیگی بھی ہوتی رہے۔

حلقہ بلکہ زمین ہموار کر کے چھوڑنے سے زمانے کی ہواؤں سے خار خشک کی بیج پڑ کر جھاڑ جھنکار اور خطرناک بن پیدا ہونے کا، یا کسی باعل کے بیج بونے کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔  
(از مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ)

**توکل کے شرعی معنی** اللہ پر توکل اور بھروسہ کے یہی معنی ہیں کہ سب معاش اور دفع بلا کے جو اسباب و آلات ذات حق نے

آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو معطل کر کے اللہ پر بھروسہ کرو۔ بلکہ حقیقت توکل کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب عیسوی ان سب کو پورا استعمال کرو۔ یعنی اسباب مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو۔ اعمال اختیار یہ کر کہ لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔ (معارف القرآن ج ۸، ص ۵۹۵) دینی کاموں میں مصروف و تنہم لوگوں میں اس کو تاہی کا مشاہدہ اکثر ہو رہا ہے کہ ان کو حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں رہتی اور بعض اوقات ان کے ذمہ داریوں کے حقوق واجبہ رہ جاتے ہیں حالانکہ دین کی طلب اور دینی کاموں میں انہماک کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جاتا۔ سگے بعض لوگ اپنی کم علمی سے حقوق العباد میں کوتاہی اور کم علمی سے کام لیتے ہیں اور پھر اس کوتاہی کو تاہی بھی نہیں سمجھتے اس لئے تدارک کی نوبت نہیں آتی۔

**حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم کا تائیدی ارشاد** تبلیغی سفر کی نوبت کو حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں بلکہ تبلیغی سفروں سے لے سبکی دلیل حضور کا ایک عربی کے اونٹ چھوڑنے پر فرمانا عقل و توکل اکہیں لیکن یہ توکل تو سب پر فرض ہے اور ایک درجہ مستحب کا ہے جس کی بڑی سخت بشرطیں ہیں۔ وہ ترک اسباب کا توکل نہ سب کے لئے ہے نہ بغیر شرطیں مکمل ہونے درست ہے جیسے حق تعالیٰ کو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ کانپور کی ملازمت چھوٹ جائے تو ملازمت نہ کرنا اس کی تشغیر و شرح کاملی کر سکتا ہے کہ اس پر مشاغل اور شکار ت کا ہم ہم رس گاہ

حقوق العباد کا اہم اور مقدم ہونا بیان فراتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا۔  
 ”مجھے دو چیزوں میں خاص تعلق ہے۔ ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں  
 وہ مقدم ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف  
 سے ممانعت ہو۔ وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں۔“

### اطاعت والدین

نان و نفقہ اور قرض کی ادائیگی وغیرہ مالی حقوق واجبہ کی ادائیگی  
 کے ساتھ والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی خدمت بھی  
 فرض ہے۔ اس کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور چونکہ یہ اطاعت والدین فرض  
 عین ہے۔ اس لئے جب تک جہاد فرض عین نہ ہو فرض کفایہ کے درجہ میں ہو۔  
 اس وقت تک والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں بھی شرکت جائز نہیں ہے  
 یہی حکم تبلیغی اور تعلیمی سفروں اور دوروں کا بھی ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع  
 صاحب قدس سرہ کے ارشادات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ  
 صیح بخاری کی اس حدیث کے  
 نقل کرنے کے بعد جس میں مذکور  
 ہے کہ ایک شخص کے جہاد میں شرکت کی اجازت حاصل کرنے پر یہ معلوم فرما کر کہ اس کے  
 والدین زندہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم فرمایا تھا۔ فضیحا  
 فجاہل یعنی بس تو اب تم ماں باپ کی خدمت میں رہ کہ جہاد کرو ارشاد فرماتے ہیں۔

”مسئلہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز فرض عین یا واجب  
 العین نہ ہو کفایہ کے درجہ میں ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی  
 اجازت کے جائز نہیں۔ اس میں مکمل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ دین کے لئے  
 سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے کہ بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو۔ وہ عام

لئے تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۳

بننے کے لئے سفر کرے یا لوگوں میں تبلیغ دعوت کے لئے سفر کرنے تو بغیر اجازت والدین  
 کے جائز نہیں۔“

### انزالہ شبہ

احادیث کے اندر ایثار پیشہ حضرات کے ایسے واقعات اور  
 ایثار کے تذکرے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن سے ایثار یعنی

دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر ترجیح دینے اور مقدم  
 رکھنے کا سبق حاصل ہوتا ہے اور وہ واقعات زندگی میں انقلاب پیدا کرنے والے  
 ہیں اور صحابہ کرام کے بعض واقعات میں یہ جز بہ ایثار اس قدر افسراط کے ساتھ درج  
 عروج پر پہنچا ہوا نظر آتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی عام حاجات و ضروریات کو  
 نظر انداز کر کے اپنا کل مال ہی اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا ہے۔ اور اپنے  
 حقوق نفس کے ساتھ دوسرے اہل حقوق کے حقوق کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ایسے

واقعات سے بظاہر حقوق کی اہمیت کم ہوتی نظر آتی ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ  
 لوگوں کے حالات محتات ہوتے ہیں اور ہر حالت کا حکم الگ الگ ہے جن لوگوں  
 کے عزم و ہمت و ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے  
 بعد فقر و فاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں۔

ان کے لئے سارا مال اللہ کے لئے خرچ کر ڈالنا جائز ہے۔ ایسے حضرات  
 نے اپنے اہل کو بھی اس صبر و استقلال کا خوگر بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس میں ان کی بھی  
 کوئی حق تلفی نہ تھی۔ اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ایک جہاد سے چندہ میں اپنا سارا  
 مال پیش کیا تو اس کو قبول نہ کیا گیا۔ ایک دوسرے شخص نے رسول اللہ صلی  
 علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا تو

آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لئے لے آتے ہیں۔ پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔ معلوم ہوا پورا مال صدقہ کر بیگی اجازت۔ ان لوگوں کے لئے ہے جو فقروفاقیہ پر بصر کر نیکنے عادی اور محرم ہوں۔ اور بعد میں لوگوں سے بھیک مانگتے نہ پھریں۔ ورنہ ایسا کر نیکنی ممانعت ہے اور سابقہ تجربات کے پیش نظر اپنے اہل و عیال کی ضروریات اور عادات کا اندازہ بھی شخص کو اچھی طرح ہوتا ہے کہ نان و نفقہ کی تنگی کو خوشی کے ساتھ برداشت کر لیں گے۔ اور فقروفاقیہ سے پریشان ہو کر کسی سے مشکوہ و شکایت یا اس سے بھی بڑھ کر دست سوال دراز نہیں کریں گے۔ اسی طرح حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مہانوں کے قصہ میں جب بچوں کو پہلا پھسلا کہ سلا دینے اور مہانوں کو کھانا کھلا دینے کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بارہ میں لمعات مندرج مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ علمائے اس کو اس پر محمول کیا ہے۔ کہ بچے بھوکے نہیں تھے۔ بلکہ بلا بھوک کے مانگ رہے تھے۔ جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ بھوکے ہوتے۔ تو ان کو کھلانا واجب تھا اور وہ واجب کو کیسے ترک کر سکتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابو طلحہ اور ان کی بیوی کی تعریف کی ہے۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس تاویل کی ضرورت اس سے بھی ثابت ہوئی کہ والد سے چھوٹے بچے کا حق مقدم ہے۔ جیسا کہ در مختار میں ہے کہ اگر کسی کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں۔ تو خرچہ کے اعتبار سے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے۔

ایسی ہی تاویل واقعہ غاریں کی گئی ہے۔ جس میں ایک شخص کر اپنے والدین کو دودھ پلانے کے لئے رات بھر ان کے جاگنے کا انتظار کرنا، اور بچوں کا دودھ لے مہارت القرآن ج ۸ صفحہ ۲۴۸ لے تعدیل حقوق الوالدین۔

مانگتے رہنے کا تذکرہ آیا ہے۔ کہ بچوں کا یہ مانگنا عاقلہ تھا۔ ان بچوں کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ورنہ تو ان کا حق ادا کرنا واجب ہوتا۔

مجموعہ واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ حالات مختلف ہیں اور ہر حالت کا حکم اس کے مناسب ہے۔ مگر اتنی بات سب میں ملحوظ ہے کہ تحمل اور برداشت کے وقت اپنے حق کا چھوڑ دینا اور دوسروں کے لئے جذبہ ایثار اور قربانی سے کام لے کر تنگی اور فقروفاقیہ اختیار کر لینا۔ اگرچہ جائز ہے۔ لیکن اہل حقوق کے حقوق کی رعایت خصوصاً نابالغ اہل حقوق کے حق پر نفقہ وغیرہ کا لحاظ نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ نابالغ کے معاف کرنے سے بھی ان کا حق معاف نہیں ہوتا اس لئے جن واقعات کے ظاہر سے حق تلفی کا شبہ ہوتا ہے۔ علماء متفقین نے ان واقعات میں تاویل کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ہے۔ ان واقعات کے ظاہر کی وجہ سے حقوق کی اہمیت تو کم نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے واقعات بیان کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ کرنا لازمی ہے کہ سامعین کے ذہنوں میں حقوق واجب کی ادائیگی کی اہمیت کم نہ ہونے پائے۔ دوسری بات یہ بھی خوب ذہن نشین کر لینے کا ہے۔ کہ فضائل وغیرہ میں ایسے واقعات کو پڑھ سنا کر ان سے خود ہی مسائل کا انبساط کر لینا اور اس پر عمل شروع کر دینا درست نہیں ہے بلکہ عمل کے لئے علماء فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا اور اپنی حالت کے مطابق استفتا کرنا ضروری ہے۔

محمدت کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا پوری کی ابتدا گرامی نے سلسلہ ایک صاحب

تبلیغ میں چلپوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ

”موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہمسائہ کان کے

لے تعدیل حقوق الوالدین لے خلیفہ مجاز حضرت تھانوی

حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے۔

یہ احقر اپنی اس ناچیز خدمت دین کو حضرت مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدالی مسلک کے تذکرہ پر ختم کرتا ہے۔ تاکہ ناظرین افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اس مسلک اعتدالی کو اختیار فرمائیں۔ دینی کاموں میں مصروف حضرات کو اس نصیحت آمیز مسلک اعتدالی کا پیش نظر رکھنا بہت ضروری اور مفید ہوگا جتنے مولانا موصوف کی سوانح میں لکھا ہے کہ جہاں تبلیغی کام ضروری سمجھتے وہاں علوم دینیہ کی اشاعت مدارس کا قیام درس و تدریس کا رواج تصنیف و تالیف اور دوسری دینی خدمات کو بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔ بعض جماعتوں سے وابستہ حضرات جو دین کو صرف اپنے کام میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے امور کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ یہ چیز آپ کی وسیع المشربلی کے خلاف تھی۔ بلکہ اس نقطہ نظر کو دین کے ہمہ گیر نظام کے لئے مضر سمجھتے تھے۔ فرماتے کہ خلوص ہو تو دین کا ہر کام اجر اور ترقی درجات کا باعث اور رضائے خداوندی کا موجب ہے۔

○

واحد دعونا ان الحمد لله رب العالمین۔ اللهم تقبل  
منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب  
الرحيم۔ وصلى الله تعالى خير خلقه محمد وآله اصحابه  
اجمعين بروحمتك يا ارحم الراحمين

○

ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

مؤلفہ

حضرت الحاج مولانا مفتی قاری السید عبدالحق صاحب مدنی مظلّم العالی  
مہتمم دار عربہ حقاہیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال سرگودھا فون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# صلاح امرت کا طریق کار

تعلیم و تربیت ○ تبلیغ و دعوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اصلاح امت کا طریق کار

### تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت

بعد الحمد والصلوة گزارش ہے کہ دین اسلام کے تحفظ و بقا اور امت کی دینی اصلاح و تربیت کا کام ہر دور میں حسب حالات تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے ذریعہ انجام دیا جاتا رہا ہے ہر زمانہ میں علماء کرام شب و روز کی محنت دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کے ساتھ مدارس اور دینی درس گاہوں میں درس و تدریس کے ذریعہ قرآن و سنت وغیرہ علوم اسلامیہ کی تعلیم دینے میں منہمک اور مشغول رہے اور امت مسلمہ کے طبقہ کو علوم نبوت کی وراثت کا حقدار اور (اصحاب و رشتہ الانبیاء) کا مسداق بنانے کی جدوجہد کرنے چلے آئے، اور مشائخ عظام نے خانقاہوں اور باطنی تربیت گاہوں میں جلوہ افروز ہو کر خلق خدا کی اخلاقی تربیت اور باطنی تزیین کے ذریعہ گناہ کی آلودگیوں سے دلوں کو صاف کر کے روشن و منور کیا اور اپنی بابرکت مجلسوں اور پر اثر صحبتوں اور توجہات عالیہ سے ہزاروں بندگان خدا کے قلوب کو طمانینت اور یقین و معرفت کی دولت عطا کی۔ اسی طرز میں بنائے اسلام اور داعیان حق نے وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت سے بے راہوں کو راہ راست پر لانے کی سعی اور کوشش فرمائی اور ہم کردہ راہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتلا کر ان کی صحیح منزل کی نشاندہی کی۔

یہی بنائے اسلام اور داعیان حق مسر یا اخاص مجسّم علم و عمل روحانی شخصیتوں میں سے ایک عظیم شخصیت ہمارے زمانہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جنہوں نے اپنی ساری عمر تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت

کے ذریعہ اصلاح امت کے کام میں گزار دی۔

## حضرت مولانا محمد الیاس کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت مولانا مرحوم نے علمی اور روحانی طور پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری جیسے اکابر علمائے امت اور حکماء امت سے فیض پایا تھا۔ ۱۳۲۷ھ میں آپ پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا ندھلوی رحمۃ اللہ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا ندھلوی رظلم) کے ساتھ گنگوہ آگئے وہاں تعلیم کے ساتھ حضرت مولانا گنگوہی کی بابرکت صحبت و تربیت کا شرف بھی حاصل رہا اور بیعت کی دولت بھی نصیب ہوئی، اس کے بعد حضرت شیخ الہند سے نسبت تلمذ حدیث حاصل ہوئی اور حضرت سہارنپوری کی طرف سے خلافت طریقت کا اعزاز عطا ہوا۔

۱۳۲۸ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اپنے شیخ حضرت سہارنپوری کے زیر تربیت طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کا فرض بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۶ھ میں اپنے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کی ترقی اور نگہداری کے لئے بستی نظام الدین دہلی بنگلہ والی مسجد میں تشریف لاکر علوم دینیہ کی تعلیم اور ترویج و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

بڑی جانکامی اور جانفشانی کے ساتھ طالب علموں کو چھوٹے بڑے سبق پڑھاتے، بعض دنوں میں طلبہ کی تعداد انہی تک پہنچ جاتی مولانا مرحوم ان کو خود پڑھانے یا اپنی نگہداری میں طالب علموں کے ذریعہ ان کی تعلیم کا بندوبست فرماتے مشغولیت کا



اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک زمانہ میں غیر دینی کتاب حدیث مستدرک حاکم کا سبق صبح کی نماز سے بھی پہلے ہوتا تھا (ماخوذ از دینی دعوت ص ۶۱ از مولیٰ سنا ابوالحسن علی ندوی)

مولانا مرحوم نے ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۲۵ھ تک پورے سترہ سال مدرسہ دینیہ میں بڑے ہی انہماک اور مشغولیت کیساتھ درس و تدریس کا کام انجام دیا۔

### علاقہ میوات میں اصلاحی کام اور اجرائے مکاتب

حضرت مولانا مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ اور ان کے بعد آپ کے بھائی مولانا محمد صاحبؒ نے علاقہ میوات کے بچوں کو اپنی بستی نظام الدین والے مدرسہ میں رکھ کر اور تعلیم دے کر میوات میں وہاں کی اصلاح کے لئے نیچے کا طریقہ اختیار فرمایا ہوا تھا اور اس علاقہ میں جو تھوڑی بستی روشنی اور دینپوری پائی جاتی تھی وہ ایسے ہی اشخاص کی بدولت تھی جو انہی کے تربیت اور ان کے مدرسے کے تعلیم یافتہ تھے۔

حضرت مولانا محمد ایلیاس کے نزدیک بھی اس علاقہ کی اصلاح کی تدبیر صرف یہی تھی کہ اس علاقہ میں دین کا علم پھیلا جائے شریعت کے احکام و مسائل سے ان کو واقف بنایا جائے مولانا نے ان دونوں بزرگوں کے طرز عمل سے اس سلسلہ میں ایک قدم آگے بڑھانا چاہا اور خود میوات میں مدارس و مکاتب کا قیام ضروری سمجھا مولانا وہاں شریعت کے گئے بڑے تقاضے اور اصرار سے ان دینی مکاتب اور مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع فرمایا۔

مولانا اہل میوات سے فرماتے کہ تم نیچے دے دو استادوں کی تنخواہ میں لڑوں کا بڑی حکمت اور نالیبت قلب سے پہلے لڑکوں کو مدارس کے قیام پر آمادہ

کیا پھر تو یہ حالت ہو گئی کہ ایک ایک دن میں کئی کئی مکتب قائم ہوئے یہاں تک کہ کچھ مدت کے بعد میوات میں کئی سو مکتب قائم ہو گئے جن میں قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم کا انتظام تھا "دینی دعوت ص ۷۱"

شریعت کے احکام و مسائل سے واقف بنانے اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے مکاتب قرآن کیم اور دینی مدارس کا جگہ جگہ قائم کرنا نہایت مفید فریضہ ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جس علاقہ میں بھی مدارس و مکاتب کا یہ سلسلہ قائم رہا ہے اس علاقہ کے لوگوں کی دینی حالت بنسبت دوسرے علاقوں سے بہتر ہوتی ہے اس لئے مولانا مرحوم نے علاقہ میوات کی اصلاح کے لئے دینی مکاتب و مدارس کے اجراء اور قیام میں سعی بلیغ اور حد درجہ کوشش فرمائی اور مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری اور سایہ رحمت قرار دیا چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کہتے ہیں:-

"مولانا، مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹک جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے جب لوگوں کی ناقدر دلی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں محط ہو گئی تھی حاجی درشید احمد صاحب (جو متعدد مرکزی دینی مدارس کے رکن اور معاون تھے) کو (ایک) خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرمادیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سٹ پڑجانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لئے نہایت وبال اور بازپس کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درونہ ہو یہ سب باتیں

خطرناک میں - دینی دعوت ص ۲۶

## دوسرا حج اور کام کے رخ کی تبدیلی

شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی ہرکابی حاصل تھی مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران مجھے اس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ ایک عارف سے ذکر کرنے پر مولانا کو ان کے اس جواب سے بڑی تسکین ہوئی کہ کام لینے والے خود کام لے لیں گے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کر دو گے پریشانی کی کیا بات ہے، پانچ مہینے حرمین میں قیام کے بعد ۱۳۴۵ھ میں کاہنصلہ واپسی ہوئی حج سے واپسی کے بعد مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا۔ دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین ارکان اصول و حکم توحید و نماز کی تبلیغ کر دیں ایک بار نوح صانع گڑگاؤں میں اجتماع ہوا اپنے مجمع میں اپنی یہ دعوت اور مطالبہ پیش کیا کہ جماعت بنا کہ علاقہ میں نکلا جائے حاضرین نے ایک مہینہ کی بہت طلب کی ایک مہینہ کے بعد جماعت بن گئی، عرصہ تک میوات میں اسی طرز پر کام ہوتا رہا۔ راز دینی دعوت ص ۴۰

اس عرصہ میں میوات میں تبلیغی گشتوں اور دین سکینے کے لئے سفروں، ہجرت کی تحریض و ترغیب اور تذکیر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مولانا کا اب یہی مطالبہ اور یہی دعوت تھی جو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پیش کرتے رہتے تھے اس سلسلہ میں میوات کے بکثرت دورے اور مختلف مقامات میں جلسے ہوئے۔ ہر جگہ نئے نئے عنوانات اور فضائل و ترغیبات کے ساتھ ہی ایک مضمون بیان فرماتے رہے اور قوم سے اسی کا مطالبہ کرتے رہے (ص ۴۱)

”مولانا کے نزدیک زمین مذہب ایمان اور اصول دین ہیں اور ان کی تبلیغ اور ان کو مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے نفی و حرکت ملک بملک پھرنا اور ان کو عمومی رواج دینے کے لئے جدوجہد (جس کا طریق کار اوپر بیان ہوا) زمین چھوار کرنے اور اس کو سیراب کرنے کے مترادف ہے (دینی دعوت ص ۲۵۴)

مولانا کے نزدیک اس زمین کی درستگی اور اس بنیاد کے استحکام سے پہلے کسی بعد کی چیز میں مشغول ہو جانا اور اس میں اپنی قوت و بہت کو صرف کرنا اور اس سے اچھے نتائج کی امید کرنا غلطی تھی۔ آپ نے اپنی توجہ دین کے تمام بعد کے شعبوں اور تکنیکی کاموں سے ہٹا کر بالآخر اسی بنیادی اور اصلی کام پر مرکز کر لی اور اس میں کامل یکسوئی پیدا کر لی آپ کو ان شعبوں کے سراسر خیاور حق ہونے میں ذرہ برابر کلام نہیں تھا اور ان کی خدمت کرنے والوں کی دل میں بڑی قدر و عظمت تھی اور ان کے لئے دعا گو رہا کرتے تھے لیکن تجربہ کے بعد اپنے متعلق طے کر چکے تھے کہ اب صرف اسی کام سے اشتغال رکھیں گے (دینی دعوت ص ۲۵۴)

باوجودیکہ مولانا نے عمومی اصلاح و تربیت کے لئے ایک خاص طریقہ اختیار فرمایا تھا اور اس میں حضرت موصوف کو بڑا اشتغال اور شغف حاصل تھا یا میں ہمدردی کے دوسرے شعبوں کی ضرورت کا احساس اور قدر آپ کے دل میں ہمیشہ موجزن رہی ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔

”میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ

جہاں تک ترقی کر رہے ہیں۔ وہ بہت ناکافی ہے۔ (دینی دعوت ص ۱۶)

مولانا ابوالحسن علی ندوی دین کے سیکھنے کے لئے اس خاص طریقہ کے عام اور قابل عمل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”حقیقت یہ ہے کہ اس مشغول زمانہ کے لئے جرجالیاً پوری انسان تاریخ میں اپنے انہماک اور شدت مشغولیت کے اعتبار سے ممتاز ہے دین کے سیکھنے کے لئے اس سے زیادہ عام اور قابل عمل طریقہ نظر نہیں آتا کہ پابندی سے یا وقتاً فوقتاً اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اور اپنے کو اس وقت کیلئے فارغ کر کے ایسے اجتماعات اور محفلوں میں یا ایسے تبلیغی قافلوں کے ساتھ رہا جائے جو اصول کے مطابق تعلیم و تعلم اور تبلیغ میں مشغول ہوں۔“

(دینی دعوت ص ۱۷)

## اہل علم کے لئے ایک خاکہ

مولانا ندوی لکھتے ہیں:-

”اس تعلیم و تعلم کے خاکہ میں ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ذہن میں اہل علم کے لئے الگ خاکہ تھا جو ان کے مناسب حال اور ان کی علمی سطح کے مطابق ہو۔ ایک گرامی نامہ میں فرماتے ہیں۔

”اہل علم کے لئے عربیت صحابہ کا کلام اعتصام باکتاب والسنۃ اور نشر دین کی تحریک کے مضامین جمع کرنے کی خصوصی اور بہت اہتمام سے غور کی ضرورت ہے علمی طبقہ کے لئے اس کے تیار ہونے کی بہت شدید ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تحریک میں گننے میں علمی ٹھیس اور ناقابل انجبار شکستگی اور کسر کا قومی خطرہ ہے اور اسی کی خبری اور کمی پر علمی طبقہ کا نبھوس اور قعود مبنی ہے۔“ (دینی دعوت ص ۲۸)

اس گرامی نامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک اہل علم کے مناسب حال اور ان کی علمی سطح کے مطابق خاص مضامین جمع کرنے کی بہت شدید ضرورت تھی اس کے بغیر علمی طبقہ کے اس تحریک میں گننے سے مولانا مرحوم ان کے علمی نقصان اور ناقابل انجبار شکستگی کا قری خطرہ محسوس فرما رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مرحوم نے اس خاص طریقہ کو صرف علوم میں دینی واقفیت پیدا کرنے کے لئے ابتدائی ذریعہ کے طور پر اختیار فرمایا تھا اور مولانا مرحوم اپنے اس خاص طرز سے عوام میں دین کی صرف طلب و قدر ہی پیدا کرنا چاہتے تھے حضرت مرحوم کے نزدیک یہ طرز خاص دین کی تعلیم و تربیت کے لئے کفایت نہیں کرتا تھا چنانچہ حضرت مولانا مرحوم کا ارشاد ہے۔

”رُحما سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی طرف صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے آگے دین کی تربیت و تعلیم کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے اسی لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔“ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۴)

نیز حضرت مولانا مرحوم کا ارشاد ہے:-

”ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ماجارہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے پوری طرح وابستہ کرنا یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد سو رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت سولیس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تعلیم و تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف۔ ب۔ ت۔ ہے۔“ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۴)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ ان کی تبلیغ کا طرز اور عمومی اصلاح کا یہ طریقہ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب کے لئے تبلیغ صحیح اصول کے ساتھ ملک بھگ پھرتے ہوئے کوشش کرنا بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں۔ (ردینی دعوت ۲۵۵)

### حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے شریکی

سرپرستی میں عمومی اصلاح کا طریق کار

۱۲۲۱ھ میں جب اطراف آگرہ سے فتنہ ارتداد کی خبر پہنچی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مقالات کا جو بھی بنفس نفیس تبلیغی دورہ فرمایا جہاں ارتداد کا اندیشہ قوی تھا۔ ریوڑی نارنول موضع اسماعیل پور متصل الور میں اقامتِ نعمتہ الاسلام حضرت کا وعظ ہوا جس کے تین حصے ہیں۔ اور اپنے خاص متوسلین کو بھی اس علاقہ میں تبلیغ کے لئے مامور فرمایا جس کی کسی قدر تفصیل ”دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت“ میں کر دی گئی ہے۔ اور اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

### عمومی اصلاح کا دوسرا طرز :-

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص اجاوت اور صحبت یافتہ متوسلین میں سے مولانا عبد المجید صاحب بچھراونی اور میرے والد محترم سید عبدالکرم صاحب گتھلوی کو اس علاقہ ارتداد میں مقرر فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے کالی دو سال تک اس سلسلہ تبلیغ کو جازری رکھا اور مولانا

عبد المجید صاحب بچھراونی تو تقریباً بارہ سال تک اس کام پر مامور رہے۔ (اشرف السوانح حصہ سوم)

ان حضرات کا طریقہ تبلیغ و اصلاح یہ تھا کہ دیہات میں نماز روزہ کی طوف توجہ دلانے کے ساتھ وہاں سلسلہ تعلیم بھی قائم کیا جاتا اور مساجد میں اماموں کے تقرر اور اماموں کے ذریعہ نماز وغیرہ سکھانے کی کوشش کی جاتی اور جن دیہاتوں میں نماز وغیرہ کی پابندی پائی جاتی وہاں دوسرے شرعی امور کی پابندی کی تاکید کی جاتی سو لینے دینے سے توجہ کرائی جاتی۔ شراب سے توجہ کرائی جاتی، پتھر کا خلعت شرع زیور اترا دیا جاتا وغیرہ وغیرہ

مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم بھی ان دوروں میں اکثر ساتھ ہوتے اور اماموں کے تقرر میں مدد فرماتے مساجد میں اماموں کے تقرر اور ان کے ذریعہ مکاتب اور مدارس کے اجراء کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت اقدس تھانوی اور مولانا محمد الیاس صاحب اس دینی ضرورت کو پورا کرنے میں مالی تعاون بھی فرماتے۔ میوات کے ایسے مدارس و مکاتب کی ایک ایسی فہرست نقشہ کی صورت میں ماہنامہ النور تھانہ بھون ضلع مظفرنگر ماہ شوال و ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی ہے اس میں اکتالیس مقامات کے مدارس اور مکاتب کی تفصیلات مع تعداد طلباء بہر مقام درج ہے۔ میزان کل علیہ ۸۰۲ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلم نماز سکھانے کے لئے مقرر کیا گیا، جس جگہ مکتب نہ ہوتا وہ ایک ایک ماہ ایسے گاؤں میں قیام کر کے لوگوں کو نماز سکھاتا۔

## نماز وغیر دینی ضروریات کی تعلیم کا عام اور آسان طریقہ

جس جگہ مکتب قائم ہو یا امام مسجد مقرر ہو وہاں نماز سکھانے کا کام مکتب کے مدرس یا امام مسجد سے لیا جاسکتا ہے ورنہ نماز سکھانے کے لئے کسی شخص کو متبیین کر دیا جائے کہ وہ ہر بستی میں مہینہ بھر یا اس سے کم و بیش مدت تک ضرورت کے مطابق قیام کر کے نماز وغیرہ دینی ضروریات کی تعلیم دینے کا کام انجام دے۔ اس طریقہ سے نماز روزہ دینی ضروریات کی تعلیم کا کام آسانی کے ساتھ عام ہو سکتا ہے اور اس میں شخص اپنی ذمہ داریوں اور معاشی ضروریات میں مشغول کے ساتھ بھی شرکت کر سکتا ہے اور کسی شخص کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں مصروفیت اور مشغولیت کا عذر دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے اور ضروریات دین کے سیکھنے میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اور وجہ تبلیغی چلوں کی نافییت اور افادیت کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص باہر نکلنے اور چلے دینے کے لئے اپنی ذمہ داریوں سے فراغت حاصل نہیں کر سکتا اور ایسے لوگوں کی دینی ضروریات کی تعلیم کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے جو عیدیم الفرصتی کی وجہ سے باہر نکلنے اور چلے دینے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہوتے اس کی قابل عمل اور آسان صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہر بستی میں مقامی طور پر دینی ضروریات کی تعلیم و تعلم کا انتظام کر دیا جائے جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ھ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی کا ارشاد :-

وان کان لا یددی انسا یوتکبہ اگر کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ جس کا ترکیب ذنب فعلی العالم ان یعرفہ ذالک ہو رہا ہے وہ گناہ ہے تو علم کا فرض ہے کہ

بیاں یتکفل کل عالم یا قلم

اوبلدة او محلة او مسجد

او شہد فی علم اہلہ دینہم

و یبیز ما یضرہم عما ینفخہم

وما یشقیہم عما یسعدہم ...

وہذا فرض عین علی العلماء ساقفة

و علی السلاطین کافۃ ان یوتبوا

فی کل فریۃ و فی کل محلة فقیہاً

متدیناً یعلم الناس دینہم فان الخلق

لا یولدون الا جہالاً فلا بد من

تبلیغ الدعوة الیہم فی الاصل

والفروع -

(احیاء العلوم بحاشیہ جزء ۸ ص ۸)

وہ اس کو اس بات سے خبردار کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے ایک ایک عالم ایک ایک علاقہ یا محلہ یا مسجد یا مجلس یا اجتماع کا ذمہ لے کہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے گا اور جس بات میں ان کا نقصان اور جس بات میں ان کا فائدہ ہے جو ان کے لئے خیر و برکت کا باعث اور جو ان کے لئے ہلک اور تباہ کن ہے سب کو کھول کھول کر بیان کرے گا ...

علماء اور بادشاہان اسلام کے ذمہ فرض عین ہے کہ ہر گاؤں اور ہر محلہ میں ایسے دیندار عالم مقرر کرے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے اس لئے کہ لوگ جاہل پیدا ہونے میں پسین کے اصول و فروع کے متعلق ان کو دست دینے اور تبلیغ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ دینی ضروریات کی تعلیم و تعلم کا عمومی طریقہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کو اسلامی ضروری احکامات سے واقف بنانے کی یہ آسان صورت ہے کہ ہر شہر ہر محلہ ہر بستی میں ایک ایک عالم دین مقرر کر دیا جائے اور چھوٹے

بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے مکاتب قرآنیہ مع اُردو و دینیات تعلیم الاسلام، بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے۔

جب ہر بچہ ابتدائی ضروریات، کلمہ، نماز، روزہ وغیرہ سے واقف ہو جائے گا تو پھر کوئی ایسا باغی شخص کم ہی ہوگا جس کو ان بنیادی دینی ضروریات کی تعلیم کی ضرورت باقی رہ جائے اور اس کے لئے چلہ وغیرہ میں وقت دینا ضروری ضروری ہو اور اگر کچھ ایسے اشخاص پائے بھی جائیں تو وہ بھی مقامی مکتب کے مدرس یا مسجد کے امام یا عالم کی طرف رجوع کر کے اپنی دینی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔

اس نظام کے ہر جگہ قائم کرنے کے بعد محنت اور کوشش اس کی ہوتی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو ان مکاتب قرآنیہ میں داخل کیا جائے اور بڑوں کو بھی ترغیب دلا کر مقامی طور پر دین کے سیکھنے کے لئے مکاتب اور مساجد کے مدرسین اور ائمہ کے ساتھ جوڑا جائے۔

یہ وہ جامع طریقہ ہے جس کے ذریعہ چھوٹے بڑے نابالغ اور بالغ سب ہی کی ضروریات دینیہ کی تعلیم و تعلم کا فرض انجام پاسکتا ہے۔

موجودہ تبلیغی طریق کار میں باغیوں کی تعلیم کا تو کسی قدر انتظام ہوتا ہے مگر نابالغ بچوں کی تعلیم اور دینی تربیت کا کوئی انتظام اسی طریق کار میں نہیں ہو سکتا اور بالغوں کی طرح نابالغوں کو بھی چلوں میں نکلنے کی ترغیب دینا علاوہ دوسرے مفساد کے بچوں کے مزاج میں آزادی اور سیر و سیاحت کا شوق پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ دینی مدارس میں بچوں کے اساتذہ کی زیر نگرانی قیام و تعلیم پر اس کو قیاس نہیں کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ان کا قیام ایک جگہ پر رہتا ہے اور تبلیغی دوروں میں جگہ جگہ چلنا ضروری ہے ایسی حالت میں نگرانی بہت مشکل ہے اور تعلیم کے لئے

یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ ایک جگہ قیام ضروری ہے ہونا اس لئے سفر میں تعلیمی نظم قائم نہیں رہ سکتا پھر جب بچہ کی طبیعت آزادی کی عادی اور چٹنے پھرنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات سفر سے واپس آکر بھی طبیعت میں باقی رہتے ہیں اور طبیعت تعلیمی پابندی سے گھبراتی ہے اور تعلیم سے ہی اس کا دل اچھا ہو جاتا ہے اور باغیوں میں سے بھی صرف ان کے لئے تعلیم کا بہت ہی ناکافی انتظام ہوتا ہے جو تبلیغی چلوں کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ باقی ماندہ باغیوں کے لئے اتنا انتظام بھی نہیں ہوتا۔

اس طریقہ کار سے دین کی طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے ذریعہ کے محتاج رہتے ہیں اور اس کا اس طریق کار میں کوئی باقاعدہ کافی انتظام نہیں ہے صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اپنے علاقہ کے علماء کے مسائل و احکام دریافت کر لیا کریں اول تو چلہ دینے والوں میں مقامی علماء سے ہتھننا اور بے نیازی کا برتاؤ بھی مشاہدہ میں آ رہا ہے اور دیکھنے میں آ رہا ہے کہ چلوں میں جانے کے بعد کسی ایسے عالم سے تعلق رکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی جو اس طریقہ کار کے ساتھ منسلک نہ ہوں بلکہ خود ایسے عالم کی ہی اصلاح اور اس کے لئے تبلیغی چلوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساتھ صرف دعا کرنے کا ظاہری تعلق رکھا جاتا ہے مسائل کے بارہ میں اس پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاتا اور اس سے تعلیم حاصل کرنے کی بجائے چلوں ہی میں جانے کو ہی ترجیح دی جاتی ہے اور بار بار اسی ایک سبق کو ہی دہرایا جاتا رہتا ہے مزید تعلیم حاصل کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا جاتا۔ دوسرے اتنا کہ دینا تجربہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعلیم احکام کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا تعلیم کے لئے تو کسی دین کے جاننے والے سے تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ پھر جب حالت یہ ہو کہ شہر گاؤں، بلکہ علاقہ بھر میں بھی عالم دین موجود نہ ہو تو وہ کس سے

مسائل دریافت کرے دین کی طلب پیاس پیدا کر کے پیاسا چھوڑ دینا اور پیاس بجھانے کا انتظام نہ کرنا بہتر تدابیر اور مفید علاج نہیں ہو سکتا اور یہ بات عادتاً ناممکن ہے کہ ہر شخص میں دین کی اتنی طلب پیدا کر دی جائے کہ وہ اپنی تمام مصروفیات کو یکسر ترک کر کے سفر کو خرچہ کی تمام تر دشواریوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اپنی دینی پیاس بجھانے کے لئے دور دراز کے مقامات پر جانے کے لئے نکل کھڑا ہو۔ طبعی اور فطری طریقہ یہی ہے کہ ہر محلہ ہر گاؤں کی دینی ضروریات کی تعلیم کا انتظام مقامی طور پر ہی کیا جائے اور ہر مقام کے لوگوں کو اس انتظام کے لئے ترغیب دلا کر اور ضرورت بتلا کر تیار کیا جائے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اول تو ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے لئے تیار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر دینی ضروریات کی تعلیم اور تعلم کے لئے صرف چاہئے دینے کو کافی بھی قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے ہر جگہ مقامی طور پر ہی دینی احکام کی تعلیم کا انتظام کرنا اور مکاتب دینیہ کا اجرا ضروری ہے۔

## قابل توجہ اہم شکایت۔

شہروں اور قصبہات میں تو دینی مکاتب اور مدارس دینیہ کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ پائی بھی جاتی ہے اور دینی مدارس کا کسی قدر انتظام مساجد اور مستقل عمارتوں میں قائم ہے مگر دیہات اور چھوٹے گاؤں میں دینی تعلیم کے انتظام کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے بہت کم کئی گاؤں ایسا ہو گا جس میں کوئی مکتب دینی تعلیم کے لئے قائم ہو البتہ بعض دیہاتوں میں آئمہ مساجد قرآن مجید کی تعلیم حفظ و ناظرہ کا کام انجام دینے میں مشغول ہیں اور ان کے ذریعہ دیہاتی بچوں کو مکملہ طیبہ اور نماز وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل ہو جاتی ہے اس مکتب نظام کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت

ہے اور ہر گاؤں میں یہ نظام قائم کرنا اور لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری ہے جہالت کے دور کرنے اور بچوں کو ابتدائی دینی ضروریات کی تعلیم کا یہ بہت مفید ذریعہ ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سفر نامہ حجاز میں لکھا ہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآن مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بڑوں کا جہل دور ہو اور ان کو علم سے مناسبت ہو جائے امید ہے کہ دوستوں نے اس کا اہتمام کیا ہو گا (تذکرۃ النظر ۹۹)

مگر تبلیغی جماعت کے گشت کرنے والوں کو اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں کہ مقامی طور پر دینی تعلیم کے انتظام کی طرف لوگوں کو رغبت دلانی جائے، ان کی کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ چلہ میں چلنے کے لئے لوگوں کو تیار کیا جائے حضرت مولانا عثمانی مرحوم نے بھی اس کی شکایت فرمائی ہے فرماتے ہیں "مبلغین علم طلب پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ

قائم کرنا بہت ضروری ہے حضرت مولانا محمد ایاس صاحب کو اس کا خاص اہتمام تھا (تذکرۃ النظر ص ۹۹) اور قابل شکایت بات یہ ہے کہ اکثر ایسے اماموں کو بھی چاہئے کہ لئے تیار کر لیا جاتا ہے جو بچوں کی تعلیم میں مشغول اور کسی قدر دین کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر اس بات کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا کہ چلہ کے ایام میں اس دینی خدمت اور مکتب کا نظام قائم رہے گا یا نہیں، ضرورت تو اس کی ہوتی ہے کہ دیہاتوں میں گشت کر کے مقامی لوگوں کو اس مکتب نظام کے ساتھ وابستہ کیا جاتے بچوں کو اس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے گی ترغیب دلانی جائے اور بڑوں کو اپنا مکملہ نماز وغیرہ ضروریات کے سیکھنے کی تاکید کی جائے، مگر موجودہ طریق کار میں صرف چلہ دینے اور باہر نکلنے پر ہی تمام کوشش لگا دی جاتی

ہے ماب اگر اس کوشش سے بستی کے سینکڑوں آدمیوں سے میں پانچ دس آدمی چمکے دینے کے لئے آمادہ بھی ہوجائے تو پھر بھی باقی ماندہ اہل بستی کے لئے دینی تعلیم کے انتظام کی ضرورت بدستور باقی رہتی ہے اور سب اہل بستی اس طریقہ کار سے اپنی دینی ضروریات کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ تمام اہل بستی کسی صورت میں بھی دینی ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے نوبت بنوبت اور باری باری بھی باہر جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے اور چلہ نہیں دے سکتے۔ پھر یہ چلہ دینے والے بھی اکثر واپس آکر اپنے اپنے کاروبار تجارت و زراعت کے کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور دینی ضروری احکام کے سیکھنے کے لئے وقت نہیں نکالتے اور نہ ہی ضروری مسائل کی کسی کتاب کے سننے سنانے کا کوئی معمول مقرر کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ فضائل کی کتابوں کو سننے سنانے کا کام انجام دیتے ہیں، اور صرف اسی کام کو ضروری اور کافی تصور کرتے ہیں، اگرچہ یہ بھی ایک مفید صورت ہے اور دین کی طرف رغبت دلانے کے لئے نافع ہو سکتی ہے۔ مگر اصل کام احکام دینیہ کی تعلیم و تعلم کا باقی رہ جاتا ہے، اس کا انتظام اسی طریقہ سے ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ اوپر حضرت ام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

### توجہ طلب گزارشات :-

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہو گا کہ امت کی عمومی اصلاح و تربیت کے لئے مصلحین امت نے مختلف زمانوں میں مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں بھی اپنے اپنے تجربات اور مصالح دینیہ کی رعایت اور مختلف ضروریات دینیہ کے لحاظ سے مختلف طریقوں کو اختیار فرمایا جاتا رہا ہے اور اب

بھی ایسے ہی مختلف طریقوں سے اصلاح امت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے مجملہ ان طریقوں کے ایک طریقہ یہ بھی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا ہے، مگر یہ طریقہ نہ تو شخص کے لئے ضروری ہے اور نہ ہی اس طریقہ میں اصلاح امت کا کام منحصر ہے مولانا مرحوم نے اصلاح معاشرہ کے لئے اسی کو مفید اور نافع سمجھا اس لئے اس کو اختیار فرمایا اور واقعی اصول کے موافق حدود و شریعہ کے اندر رہتے ہوئے خلوص سے اس طرز پر کام کیا جائے تو عوام کے لئے یہ بہت مفید اور نافع کام ہے۔ مگر کوئی کام بھی خواہ وہ کتنا ہی مفید اور عمدہ ہو اگر حدود سے تجاوز کر جائے اور اس میں غلو پیدا ہو جائے تو پھر وہ قابل اصلاح ہو جاتا ہے اس لئے تبلیغی جماعت کے سرپرست حضرات مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ وغیرہ حضرات ہمیشہ اس پر تنبیہ اور اصلاح فرماتے رہے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی تصانیف سے واضح

### اصلاحات کے بارہ میں ضروری گزارش

تبلیغی جماعت کے اس طریقہ کار کے بارہ میں اصولی طور پر تقریباً سب ہی حضرات اکابر نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے خاص طور پر مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ الاعالیٰ نے اس جماعت کی افادیت و نافعیت بنا کر بڑے زور و طریقہ سے اس کی تائید و حمایت فرمائی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس جماعت کے طریق کار میں جو باتیں قابل اصلاح شامل ہو گئی ہیں اور جو غلو اور تشدد اس میں پیدا ہو گیا ہے ان باتوں کی اصلاح پر بھی یہ دونوں حضرات ہمیشہ توجہ



دلاتے رہے ہیں اور قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرماتے رہے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی مطبوعہ تحریرات سے واضح ہے، عدل و انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تائید و حمایت کے ساتھ قابل اصلاح امور پر بھی نظر رکھی جائے، اس لئے ان اکابر کی تائید و حمایت کا یہ مطلب نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں کوئی بات بھی اصلاح طلب نہیں ہے اور یہ کہ مستقبل میں بھی کوئی ایسی بات اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جس کی اصلاح ضروری ہے کسی جماعت پر اس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے ہی کوئی حکم لگایا جاتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں اصولی مشرعیہ کے تحت دوبارہ اس کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اگر کوئی قابل اصلاح امر اس کی اصلاح کی جانی ضروری ہے۔ خصوصاً جن اصلاحات کو خود اکابر نے ہی تجویز فرمایا ہوا ان کا ذکر کرنا تو کسی طرح بھی ان حضرات اکابر کی مخالفت نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ یہ ان اکابر کا عین اتباع ہے کہ صحیح بات کی حمایت و تائید کے ساتھ قابل اصلاح امور کی نشاندہی بھی کر دی جائے اس کو حضرات اکابر کی حمایت و تائید کے خلاف سمجھنا درست نہیں ہوگا ذیل میں ایسے ہی بعض حضرات اکابر کی اصلاحات پر پیش کی جا رہی ہیں جن کو نہ صرف یہ کہ تبلیغی جماعت کے کام کے ساتھ قلبی تعلق اور گہرا ربط حاصل رہا ہے بلکہ عملی طور پر بھی وہ اس میں شرکت کرتے رہے ہیں ان حضرات کی تنبیہات و اصلاحات کو یہ کہہ کر بھی نظر انداز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اصلاحات ایسے حضرات کی طرف سے پیش کی جا رہی ہیں جن کو اس جماعت کے کام میں عملی شرکت کا موقع نہیں ملا اور ان کو جماعت کے کام کا تجربہ اور اس کے حالات سے اچھی طرح واقفیت حاصل نہیں ہے جیسا کہ بعض دوسرے اہل علم حضرات کی اصلاحات اور ان کے پر خلوص مشوروں کو یہی بات کہہ کر ناقابل توجہ فرار سے دیا جاتا اور عوام میں ان کی اصلاحات کو بے وقعت

بنانے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان حضرات کو اس کام کی حقیقت سے واقفیت حاصل نہیں ہے اور یہ کہ واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کام میں عملی شرکت ضروری ہے حالانکہ کسی جماعت کے کام اور حالات سے واقفیت عملی شرکت پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے معتبر ذرائع معلومات سے بھی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اور اس کی بنیاد پر اس کا حکم شرعی بتلایا جاسکتا ہے حکم شرعی کے اظہار اور اصلاحی مشورہ کے لئے اتنی واقفیت بھی کافی ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ عملی شرکت سے قابل اصلاح امور کا عینی مشاہدہ ہو کر بصیرت حاصل ہو جاتی ہے مگر حالات کا علم اور واقفیت عملی شرکت پر موقوف نہیں ہے، اس لئے یہ بات بھی قابل اصلاح ہے کہ جماعت کے کام اور حالات سے واقفیت کو اس میں عملی شرکت پر موقوف سمجھا جاتا ہے اور شرکت کے بغیر اس کے متعلق حکم شرعی کے اظہار اور کسی مشورہ کو ناقابل التفات قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عملی شرکت کے بغیر کسی جماعت کے بارہ بھی کوئی حکم شرعی قابل قبول اور کسی شخص کو بھی اس کے بارہ میں اصلاح و مشورہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ علاوہ اس کے کہ یہ بات ایک جو یا نئے حق اور طالب اصلاح بلکہ امت کی اصلاح کے لئے اٹھنے والی جماعت کے شایان شان نہیں ہے اور اس تعلیم کے خلاف ہے کہ، کلمۃ الحکمہ ضالۃ المؤمنین نغیت وجدھا الحق بھا، حکمت مومن کی کم شدہ متناع ہے جن جگہ بھی وہ ملے وہ اس کا حقدار ہے، اس بات سے گروہ بندی اور جماعتی تعصب کی بھی بڑھتی ہے اور امت کے مختلف طبقات میں بلکہ خود اہل حق میں ہی جوڑ اور اتحاد کی بجائے توڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے، پھر اس بات کو ہر وہ جماعت جو جاوہ اعتدال سے ہٹ گئی ہو اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بطور ایک حربے کے استعمال کر سکتی ہے اور اس کو آڑ بنا کر کہہ سکتی ہے

کہ جب تک ہماری جماعت میں شامل ہو کر اس کے طریق کار کے مطابق عملی شرکت نہ کی جائے اس وقت تک نہ تو اس کی خامیوں اور کوتاہیوں ہی کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی عالم یا غیر عالم کا کوئی مشورہ اور اصلاح قابل توجہ ہو سکتی ہے۔

البتہ انتظامی امور میں کسی اصلاح و مشورہ کے لئے تجربہ کی ضرورت کسی حد تک تسلیم کے قابل ہے مگر ان امور کے بارے میں بھی حکم شرعی بتلانے کے لئے کسی عملی تجربہ کی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے شریعت کے اصولوں کا صحیح علم کافی ہے اور شرعی اصولوں کی روشنی میں کسی عمل کے جائز و ناجائز ہونے کا حکم لگانے کا حق ہر صاحب فتویٰ عالم کو حاصل ہے، مگر جماعت کے بارے میں اب یہ حق صرف ایسے ہی علماء کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے جن کو جماعت کا عملی تجربہ بھی حاصل ہو، بلکہ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایسے حضرات اکابر کی اصلاحات اور مشوروں کو بھی قبول نہیں کیا جاتا جن کا علم و فضل میابری اور دیانت و تقویٰ مثالی ہے اور ان کو جماعت کے کام کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملے اور انہوں نے اس میں شرکت بھی کی ہے، چنانچہ ایسے حضرات کی اصلاحات کے حوالہ آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں گے ان حضرات اکابر کی یہ اصلاحات عرصہ دراز سے شائع ہو چکی ہیں مگر جماعت کے ذمہ دار حضرات نے ان کی طرف کسی توجہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ فالی اللہ المشتکی

## حضرات اکابر کی اصلاحات :-

حضرت مولانا عثمانی مرحوم اپنے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں فرماتے ہیں :-  
تبلیغ اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں ماس میں شک نہیں کہ اس کام کو

اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط و تفریط سے پرہیز میں احتیاط لازم ہے بذکرۃ النظرۃ ۹۵ ایک خط کے جواب میں مولانا عثمانی مرحوم نے فرمایا :- میں نے اپنے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں تبلیغی جماعت کی بعض غلطیوں پر تنبیہ کر دی ان میں سے یہ بھی کہ چند غیر و پر زور دینا غلو اور تشدد ہے۔ (ماہنامہ ابلاغ)

حضرت شیخ الحدیث نے ایک صاحب کے خط میں تحریر فرمایا :- آپ نے جو حالات لکھے ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چند میں جانا ہرگز مناسب نہیں ہے کہ گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرضی دلوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۲۹) اور ارقام فرماتے ہیں :-

”مجھے دو چیزوں میں خاص تعلق (مضبوطی) ہے ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق الیاء ہوں وہ مقدم ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے سعادت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں۔“ (ص ۱۳۵) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-  
”یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔“ (ص ۱۴۵)  
مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں :-

”یہ غلطی عام طور پر ہوتی ہے کہ عام جمہوں میں ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے اچھی طرح واقفیت بھی نہیں رکھتے اور بات کرتے وقت اپنے علم کی حد کی پابندی بھی نہیں کرتے و اقلہ یہ ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ بات کام کے ذمہ داروں کے لئے بلاشبہ بہت فکر و توجہ کے لائق ہے۔“ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۴۱)

اس غلطی کی اصلاح کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اول تو ہر کس و نا کس کو بات کرنے کے لئے کھڑا نہ کیا جائے اور اگر کوئی اہل موجود نہ ہو تو کتاب ہاتھ میں لے کر

پڑھ لیا کریں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو بصورتِ مجبوری صرف چھ نمبروں کی فہرست سنا دی جائے کہے تقریر کرنے کی اجازت نہ دی جائے کہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمتِ اسلام کے اور طریقوں کو بیکار سمجھتے ہیں اور جو علماء و صلحاء اپنے اپنے طریقوں پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث قرآن و فقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تعقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کی بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء و صلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں، اور دوسرے کام منسلک کر دیئے جائیں تو علم دین اور قرآن، حدیث و فقہ اور تزکیہ اخلاق و تحکیم ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے۔ ولتکن منکم امتا یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف ینہون عن المنکر کہ تم میں سے ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے نیک کاموں کا امر کرے، وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ فلولا نفر من کل

فرقتا منهم طائفة لیستفقہوا فی الدین ولیسند دعا قومہما اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت سے کچھ لوگ اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں (تذکرۃ المظفر ص ۹ بحوالہ سفر نامہ مجاز حصہ دوم ص ۷۷) حضراتِ اکابر کی ان اصلاحات کو قطعاً نظر انداز کیا جا رہا ہے اور چلتے وغیرہ پر اسی طرح زور دیا جا رہا ہے اور اس میں اس قدر غلو ہو رہا ہے کہ اس سے کسی شخص کو عمل میں بھی مستثنیٰ نہیں سمجھا جاتا اور گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کے قرض کی ادائیگی کو ضروری اور حقوق العباد کو مقدم سمجھنے کی بجائے اس طرح غدر کرنے پر حقوق العباد

کی اہمیت کو مخاطب کے دل سے کم کرنے کے لئے بڑے یقین سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کام میں لگنے پر قیامت میں اہل حقوق کو جنت کی نعمتیں دے کر خود حق تعالیٰ جل شانہ و حق تعالیٰ کے صاف کرنے پر راضی فرمائیں گے۔ حدیث ہے کہ حکم عام کے وقت کی ایسی آیات انفراداً و اخفاً و ثقلاً و غیرہ کو اس متوجہ پر پڑھا جاتا ہے جن سے ہر شخص پر جہاد کا فرض ہونا اور نکلنا ثابت ہوتا ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے پر وارد ہونے والی آیات و عیدتوں کو گھروں سے نکلنے اور چلنے دینے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور دیکھنے والوں کو الاتنفردوا یعد بکم عذاباً الیماً۔ اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک " کا مصداق اور دردناک عذاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اس طرح کے طرز عمل سے حضراتِ اکابر کی مذکورہ ہدایات اور ادائیگی حقوق کے بارہ میں ان کی تاکیدات کی صراحتاً خلاف ورزی ہوتی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے اہل حقوق کو اپنے حقوق کی معافی پر رضامند کرنے کی توقع ایسے شخص کے لئے تو کی جاسکتی ہے جو اپنی پوری کوشش کے باوجود حقوق کی ادائیگی سے قاصر رہا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم کسی پر ہو جائے اور اس کے ساتھ اس طرح کا کیا برتاؤ فرمایا جائے لیکن یہ کوئی قانونِ علم اور ضابطہ نہیں ہے اس لئے معافی کی توقع ہر حق تلفی کی تلقین و ترغیب اور قصد و ارادہ کے ساتھ حقوق کے ضائع کرنے کو جائز اور اس سے بڑھ کر کارِ ثواب سمجھنا سخت غلطی ہے۔

اسی طرح آیات و عید میں ایسے ہی لوگوں پر وعید اور ملامت کی گئی ہے جو بغیر عذر کے جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے ورنہ ضعیفوں اور جن لوگوں کے پاس خرچ نہ ہو ان کا مصلحت نہ ہونا۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج (نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مرضیوں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں خرچ، کچھ گناہ) سے بیان فرما دیا گیا ہے اور معذوروں کو اس وعید سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور غیر معذورین کے لئے بھی یہ وعید اس صورت میں

ہے جبکہ یہ سفر کرنا اور گھر سے نکلنا فرض قرار دے دیا جائے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دینی ضروری احکام کی تعلیم کا مقامی طور پر انتظام کرنا ممکن نہ ہو ورنہ تو اہل علم کی وجہ سے سفر نہ کرنے اور گھر سے نہ نکلنے کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے) اس لئے عمل اور موقع پر نظر کئے بغیر شخص پر اس آیت کو چسپاں کر دینا غلط اور بے جا تشدد کی حد میں آتا ہے۔

## عورتوں کی تبلیغ

مردوں کی طرح عورتیں بھی ایک شہر سے دوسرے شہر میں تبلیغ کے لئے جاتی اور وہاں کی عورتوں کو تبلیغ میں نکلنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی سے یہی استفسار کیا گیا تھا کہ عورتوں کی تبلیغ کے لئے سفر کرنا صحیح و درست ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ارقام فرمایا ہے کہ عورتوں کی تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا (کفایت المفتی جلد ۲ ص ۱۰۱) حضرت مفتی صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ عورتوں کی تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے اور سفر کرنے کا یہ طریقہ زمانہ خیر القرون میں مروج نہیں تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی امیر ثانی جماعت تبلیغ سہمی ایک مکتوب میں مولانا عبید اللہ بلیاوی کو عورتوں میں کام کے طریقہ کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "عورتوں کی تبلیغ میں صرف یہ کہا جائے کہ عورتیں دینی کتب پڑھیں پڑھائیں اور سائیں، اسلامی رواج کی پوری پابندی کریں اور اپنے متعلقین کو بھی اس کا پابند کریں اپنے مردوں کو دین سیکھنے کے لئے تبلیغ کے اندر باہر بھیجیں تاکہ جو کچھ سیکھ کر آئیں وہ ان کو سکھائیں گشت کی قطعاً اجازت نہ دی جائے" (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۶۶) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے عورتوں میں کام کی جن نزاکتوں کا احساس فرما کر ان کو گشت کی جو نظلی ممانعت فرمائی ہے ایسا ہی حکمت

اور دینی بصیرت کا یہی تقاضا ہے حضرت بنی کریم صل اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد حالات زمانہ پر نظر کرتے ہوئے جب عورتوں کو مسجد کے اندر جماعت میں شامل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو اب جبکہ حالات زمانہ کے ہکا بھکا اور فساد میں غلبہ ہوتا جا رہا ہے تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے کی اجازت دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ہر گھر میں مردوں کے ذریعہ دینی مسائل سکھانے اور دینی کتابوں کے پڑھنے اور سننے کی جو تجویز مولانا یوسف صاحب نے فرمائی ہے عورتوں کے دین سیکھنے کے لئے یہ تجویز بہترین اور تمام مفاسد سے محفوظ ہے۔ اس پر ہر گھر میں عمل کرنا ضروری ہے۔

غرضیکہ حضرت مولانا محمد ایلیاس نے اپنے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام سے دینی مدارس اور خانقاہوں میں علمی اور روحانی فیض حاصل کر کے انہی کے طریقوں کے مطابق دینی مدارس سہارنپور اور بستی نظام الدین دہلی میں علوم دینیہ اور فیوضات روحانیہ کی اشاعت میں اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف فرمایا اور سکتا تب دینیہ کے اجراء میں مگر کم حصہ لیا آخر میں عوام میں دین کی عمومی فکد پیدا کرنے کے لئے دوسرا طرز اختیار فرمایا جو تجربہ سے مفید ثابت ہوا، مگر یہ طرز مولانا کا استنباطی اور اجتہادی تھا جس کو منصوص نہیں کہا جا سکتا، البتہ نصوص قرآن و سنت سے اس کا استنباط کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد ایلیاس صاحب کا ارشاد ہے کہ "اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا" (مطوفات ص ۵۷)

پھر اس کے بعد کنتھر خیر امتا کی خواب میں الہامی تفسیر کا تذکرہ فرمایا (مطوفات کے صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ کیا جائے) اسی بات کو واضح کرنے کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ مضمون اسی رسالہ کے آخر میں ملحق کیا جا رہا ہے جس کا عنوان دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارہ میں ہمارا طرز عمل ہے اس میں اس طرز تبلیغ اور طریق دعوت کی وضاحت فرما کر اس کی اصل حیثیت کو بتلایا گیا ہے،

مولانا ندوی کا یہ مضمون الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ربیعین و جمادی الاول ۱۳۶۲ھ میں اب سے تقریباً اٹھائیس سال پہلے شائع ہو چکا ہے، مولیٰ نے اس وقت جن حدیث کا احساس فرمایا تھا اور اس طرز پر کام کرنے والوں کو جن قابل اصلاح امور کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی تھی چونکہ آج اکثر و بیشتر وہ حدیثات ظاہر ہو رہے ہیں اور ان کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے اس لئے اس مضمون کو دوبارہ شائع اور عام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس رسالہ کے آخر میں اس کو شائع کر دیا گیا۔

## مدارس اور خانقاہوں کی افادیت اور ضرورت

اس ترکیب تبلیغ کے بانی اور سرپرست حضرات سب ہی مدارس وینیہ اور خانقاہی طرز سے مستفید اور ان کے فیض یافتہ ہیں اور انہی مدارس اور خانقاہوں کا یہ فیض ہے جو کم سے کم اس برصغیر میں اسلامی علوم قرآن و سنت کی تعلیم باطنی تزکیہ و تصفیہ کا کام انجام پا رہے جس سے مستفیض و مستفید ہو کر ایک ایک عالم دیں اور شیخ طریقت سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بنا ہوا ہے اور اپنے اپنے علاقوں میں ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے ہے اور واسطہ درواسطہ لاکھوں مسلمانوں کو ان حضرات سے علمی اور روحانی فیض پہنچ رہا ہے۔ اگر ان مدارس و خانقاہوں میں کمی واقع ہو یا اس طریقہ کو ثانوی درجہ دے دیا جائے تو علوم قرآن و سنت اور تزکیہ نفوس تحصیل نسبت باطن کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا، اور موجودہ علماء اور مشائخ کے بعد آگے ان کے جانشین اور وارث پیدا ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ عمومی دعوت و تبلیغ اور علم مسلمانوں میں ابتدائی ضروری وینی معلومات حاصل کرنے کی یہ مجرب صورت علوم وینیہ میں تبحر اور تعلق پیدا کرنے اور علوم قرآن و سنت میں مہارت حاصل کرنے کے کسی طرح بھی کافی نہیں اور نہ ہی یہ طریقہ اس کے لئے وضع کیا گیا ہے بلکہ حسب تدریج

مولانا محمد الیاس صاحب نے اس طریقہ سے دین کی الف۔ ب۔ ت سکھائی جاتی ہے۔ اور مولانا محمد یوسف صاحب جانشین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ ہم مدرسہ میں بخاری پڑھانے والوں کے لئے یہ نہیں چاہتے کہ ان کو التحیات پڑھانے پر لگادیں، (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۷۱) مولانا مرحوم نے دینی مدارس کے درس و تدریس کو اصل بنیادی کام قرار دیا ہے اور اس پر جوہ خود بھی عمل پیرا رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب بجزوی کے اس سوال پر کہ مدرسہ کا درس و تدریس چھوڑ کر کچھ دنوں کے لئے تبلیغی چٹوں میں جانا چاہتا ہوں۔ مولانا محمد یوسف نے مفتی صاحب موصوف کو پڑھانے کے کام کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا اور فرمایا کہ آپ اسی کام کو کرتے رہیں۔ ہم درس و تدریس کے کام کو بنیادی کام سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کے الفاظ ہیں۔

اس واقعہ کا تذکرہ خود مفتی صاحب کی زبانی سنئے۔ حضرت شیخ الحدیث ارقام فرماتے ہیں۔ مفتی عزیز الرحمن سوانح حضرت جی میں لکھتے ہیں۔

”میں نے مولانا صاحب سے اپنی درسی مصروفیت کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں اپنے پڑھانے سے اس قدر تنگ گیا ہوں کہ سہی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگا لوں تو فرمایا۔ ”بہرگز نہیں تبلیغ سے پہلے بھی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی کام کرنا ہے لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ خود پڑھانے میں ہم توجہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو (سوانح یوسفی تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۷۱)

واقعی مدرسوں میں پڑھانے کا کام بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس سے دین کے ہر شعبہ کی ضرورت کے لئے رجال کا تیار ہوتے ہیں مدرسین اور مفتی اور مصنف مبتدئین واعظین وغیرہ کی جماعت درس و تدریس اور پڑھانے سے ہی تیار ہوتی ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مختلف دینی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے، دینی مدارس میں پڑھانے کے کام کے ساتھ عام طور پر تبلیغ کا کام اکثر و بیشتر لگا ہی ہوتا ہے بتعلقین مدارس جمعہ وغیرہ کے خطبات اور عام جلسوں میں وعظ و نصیحت کا کام انجام دیتے رہتے ہیں جو عام مسلمانوں میں دینی احکام کی تبلیغ عقائد و اعمال کی درستگی اور دین کی طرقت و رغبت و شوق پیدا کرنے کے لئے نہایت درجہ مفید ثابت ہو رہا ہے اور اس صورت علم تبلیغ کا فرض بھی مدارس کے ذریعہ انجام پا رہا ہے اس کے علاوہ مدرسین طلبہ کو علوم دینیہ کی تعلیم دے کر تبلیغ خاص کا فرض انجام دینے اور مدرسین و مبتدئین وغیرہ کی ایک جماعت تیار کرنے میں مصروف رہتے ہیں، اس لئے کسی خاص طریقہ تبلیغ کو پڑھانے والوں کے ساتھ لگانا ضروری نہیں رہتا اور تقسیم کار کے مطابق ایک جماعت اگر ایک طریقہ کو اپنالے اور دوسری جماعت دوسرے طریقہ پر عمل پیرا ہو تو مفصل حاصل ہے۔ ہر جماعت پر مختلف طریقوں کی پابندی کا فرض عائد کرنا تقسیم کار کے اصول کے خلاف اور غلو کی حد میں داخل ہے، ہاں اگر فارغ اوقات میں دینی مدارس کے اصل مقاصد میں خلل انداز ہوئے بغیر دوسرے طریقہ تبلیغ کو بھی کوئی شخص محدود شریعت کا رکن رکھتے ہوئے اپنالیتا ہے تو یہ استہمالی درجہ ہے لازم اور واجب نہیں، اسی لئے امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم نے مفتی صاحب موصوف کو مدرسہ کے اصل کام درس و تدریس فقہی و فرائضی کو چھوڑ کر کچھ دن تبلیغ میں لگانے سے منع کر دیا اور درس و تدریس وغیرہ کے کام پر لگے رہنے کی تاکید فرمائی، یہ واقعہ کام کے ذریعہ کے لئے بڑی ہی توجہ کا مستحق ہے جو دین کے دوسرے کاموں میں مشغول حضرات کے لئے

بھی اس خاص طریقہ سے تبلیغ میں وقت لگانے پر اصرار کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی اس طریقہ کے اختیار کر نیکو ضروری قرار دیتے ہیں پھر کسی متبادل شخص کے انتظام کا بھی خیال نہیں رکھتے، اس واقعہ میں حالانکہ مفتی صاحب اپنی درسی ذمہ داریوں کو دوسرے آدمی کو سپرد کر کے تبلیغ میں وقت دینا چاہتے تھے پھر بھی مولانا یوسف صاحب مرحوم نے اس سے روک دیا، اب تو اگر کوئی دینی خدمت میں مشغول شخص مدرس یا امام وغیرہ اپنی دینی مشغولیت کا عذر کر دے تو بلا جھجک اس کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ اپنی روزی اور تنخواہ کے خطرہ میں پڑ جانے کی وجہ سے وقت نہیں دے رہے اور ان کو خدا کے ملازق ہونے پر پورا یقین نہیں ہے، اس بدگمانی سے نہ تو محاسبہ آخرت کا خوف رکھتا ہے اور نہ ہی اگر امام مسلم کا سبق ماننے ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کو خصوصیت کیساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی اس نصیحت ذیل کو ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے حضرت مرحوم کا ارشاد ہے کہ وہ تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں وہ واقف کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں... ایک عالمی مسلمان کی طرف سے بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو سخت چیز ہے پھر فرمایا ہمارا طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں، ہر مسلمان کی وجہ اسلام کے عزت کرنی چاہئے اور علماء کا بوجہ علم کے بہت احترام کرنا چاہئے۔

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۳)

## عربی مدارس اسلام کے قلعے ہیں

مولانا ابوالحسن علی ندوی اس زمانہ میں مدارس عربیہ کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو باغ نظر اور صاحب فراست علمائے جا بجا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے انہی قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت و تہذیب انہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت و استحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے" (ماہنامہ الحق نومبر ۱۹۷۹ء ص ۱۳)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ "تجدید تعلیم و تبلیغ" میں زیر عنوان "علماء کی وقت و عظمت کی حفاظت نہایت اہم ہے" ارقام فرماتے ہیں :-

"جب علماء کا وجود ایک طرف دین کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اور دوسری طرف اس کے بقا و تحفظ کے لئے ناگزیر ہے تو اگر امت کے اندر یہ جماعت خاندانہ موجود نہ رہے یا موجود ہو اور اس کی اتنی تحقیر و توہین جاوے جا لگاتار سے دلوں میں راسخ کر دی جائے کہ لوگ اس سے بیزار ہو کر استفادہ نہ کریں تو پھر علماء و تلمیذ اور بالآخر علماء مساذ اللہ دین کے فنا ہو جانے کے سوا اور کیا نتیجہ ہوگا.... اسی طرح دینی مدارس قائم کرنے اور جو قائم ہیں ان کی حفاظت و ترقی کی تاکید حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ازنال، جا بجا فرمائی ہے کیونکہ ہماری گاڑی کے ڈرائیور ہمیں سے پیدا ہوتے ہیں اگر خدا نخواستہ عربی درسگاہوں سے ان کی فراہمی منقطع ہو جائے تو امراء کی فرسٹ و سیکنڈ متوسطین کے انٹر اور عزباء و عوام کے تھرد سارے کے سارے ڈبے اپنی جگہ

بے حرکت کھڑے رہ جائیں گے ہر طبقہ کی دینی حیات و حرکت ان مدرسوں سے نکلے ہوئے بڑے بچھے علمائے مولویوں ہی کے دم سے قائم ہے اور جس قدر امت کے مختلف طبقات اپنی اپنی اہمیت و حیثیت کے مطابق ہماری دینی گاڑی کے ان ڈرائیوروں یا چلانے والوں کی بہتر سے بہتر تعلیم و تربیت خدمت و اعانت کا بندوبست کریں گے۔ اسی قدر ہماری دینی حرکت و حیات جاندار و پائیدار ہوگی" (ص ۱۳)

واقعی مدارس عربیہ کا نظام تعلیم و تربیت اسلامی شریعت و تہذیب کے لئے قلعوں کا کام دے رہا ہے اور اسلامی شریعت کی حفاظت اور قرآن و سنت کا تحفظ انہی قلعوں کے وجود پر موقوف ہے۔

### مدارس عربیہ نظام تعلیم و تربیت کا تعارف اور ان کی افادیت

اس نظام میں قرآن مجید حفظ و ناظرہ کی تعلیم اور ابتدائی دینی ضروریات اصول و ارکان دین، کلمہ، وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے سکھانے کا اہتمام ابتدائی عمر میں بچوں کے لئے کیا جاتا ہے اور ان کو تعلیم کے ساتھ عملی طور پر نماز وغیرہ نیک اعمال کا پابند بھی بنایا جاتا اور اخلاقی نگرانی کی جاتی ہے کھانے پینے بیٹھنے اٹھنے کے آداب اور طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ اردو نوشت و خواند اور ایسے اردو مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں ضروری دینی عقائد اور مسائل ہوتے ہیں جیسے تعلیم الاسلام، بہشتی زیور وغیرہ جن کے پڑھنے سے بچوں کو اردو لکھنا پڑھنا آنے کے ساتھ ضروری دینی عقائد اور مسائل کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے اساتذہ کی نگرانی کے ساتھ اگر سرپرستوں کا تعاون بھی حاصل رہے تو بچہ ابتدائی عمر میں ہی ضروری دینی علم حاصل کرنے کے ساتھ عملی طور پر بھی نیک اعمال کا عادی اور اچھے اخلاق کا خوگر بن جاتا ہے۔

مدارس عربیہ کا یہ ابتدائی شعبہ تعلیم قریب قریب ہر چھوٹے بڑے عربی مدرسہ

میں قائم ہے اور بعض چھوٹے مدرسے تو صرف اسی ابتدائی شبیہ تعلیم ہی پر مشتمل ہیں۔ اسی ابتدائی شبیہ کو ہر شہر ہر قریہ گاڈن، محلوں میں مساجد کے اماموں کے ذریعہ اگر عام کر دیا جائے اور تربیت یافتہ معلمین کی نگرانی میں ملک سے ہر جگہ کو دین کے ضروری عقائد و اعمال سے واقف کرانے کے ساتھ عملی تربیت بھی دی جائے تو علم دین سیکھنے اور سکھانے کا جو درجہ فرض عین اور ہر شخص پر فرض ہے وہ ادا ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی دین کے ضروری اعمال و اخلاق کی عملی تربیت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی بالغ شخص ایسا نہیں رہ سکتا جس کو دین کی بنیادی ابتدائی عملیات حاصل نہ ہوں اور اس کے لئے دوسرے مقامات پر جانے کی ضرورت باقی رہے۔

اس تفصیل سے اس منالطہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے جو عام لوگوں میں پیدا کیا جاتا ہے کہ مدارس عربیہ صرف علم سیکھنے کے لئے ہیں اور عملی اور اخلاقی تربیت کے لئے دوسرے طریقہ کار پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بات سے بات آتی اور عمل سے عمل آتا ہے۔ مگر جس شخص کو مدارس عربیہ کے عملی کام کے ساتھ عملی اور اخلاقی تربیت کا حال معلوم ہو اور یہ حقیقت اس کی نظر کے سامنے ہو کہ مدارس عربیہ میں طلباء کو صرف علم ہی نہیں سکھایا جاتا، بلکہ اعمال و اخلاق کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور طلباء جس طرح اپنے اساتذہ کرام سے علوم کی تحصیل کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اعمال و اخلاق کی تربیت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس کو یہ منالطہ نہیں دیا جاسکتا۔

مقصود یہ ہے کہ مدارس عربیہ میں صرف بات اور علم ہی نہیں سیکھا جاتا بلکہ اساتذہ کرام وغیرہ کے عمل سے عمل سیکھنے اور اخلاق سے اخلاق سنوارنے کا بہتر سے بہتر موقع بھی طلباء کے لئے میسر ہوتا ہے اور اساتذہ کرام وغیرہ کا عملی اور اخلاقی نمونہ ہر وقت ان کے سامنے موجود رہتا ہے۔ اب یہ منالطہ اسی صورت میں دیا جاسکتا ہے کہ مدارس عربیہ کے اساتذہ وغیرہ متعلقین کو عمل سے عاری اور اخلاق حسد سے خالی تصور کر دیا جائے۔

البتہ نسبت باطنی کی تحصیل اور تزکیہ نفس کی تکمیل اور اخلاق کے درجہ علیا کی تربیت کے لئے باطنی تربیت کا ہوں اور خاتفا ہوں میں وقت لگانا اور مشائخ طریقت سے اصلاحی تعلق قائم کرنا علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بھی ضروری ہے اور اگر اساتذہ کرام میں کوئی شیخ طریقت بھی ہوں تو یہ ضرورت ان سے ہی پوری ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان سے مناسبت بھی ہو اور نہ کسی دوسرے شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم رکھنے کی ضرورت ہے دوران تعلیم ایام تعطیل میں اور درسیات سے فارغ ہونے کے بعد بھی حسب فرصت مشائخ طریقت کی صحبتوں اور بابرکت مجلسوں سے استفادہ کرتے رہنا اصلاح احوال کے لئے از بس مفید ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل تہیہ ہے کہ تبلیغی اسفار کو تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کے تکمیلی درجہ کے لئے کافی سمجھ لینا اور عام لوگوں کے ساتھ عمومی چلتے پھرتے کو شیخ طریقت کے ساتھ تعلق اصلاح کا قائم مقام تصور کر لینا سخت غلطی ہے اور یہ غلطی باطنی تزکیہ اور اصلاح کی حقیقت سے ناواقفیت اور مشائخ طریقت سے استغناء کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کے لئے شیخ طریقت کی تشیخ امراض اور ہر شخص کے حسب حال تجویز علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر شخص کے لئے ایک ہی علاج مفید نہیں ہوتا پھر روک ٹوک اور احتساب کے بغیر عاڈہ امراض کا لالہ و دشوار ہے ظاہر ہے کہ تبلیغی اسفار میں اس کا اہتمام بہت مشکل ہے ان اسفار کی بدولت اگر کسی شخص میں خدمت خلقی اور ایثار کا جذبہ یا کسی قدر تواضع وغیرہ کے آثار وغیرہ ظاہر ہو رہے ہوں تو تہذیب نفس کے لئے اس کو کافی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ بسا اوقات کبر بصورت تواضع ظاہر ہوتا ہے، اور حقیقت نا شناسی کی وجہ سے صورت تواضع کو حقیقت سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسے باریک ملاحظہ نفس پر مطلع ہونا کسی صاحب بصیرت شیخ طریقت کی راہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور یہ منالطہ بھی دُور ہو جاتا ہے کہ مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم دین کے تکمیلی درجہ کی تعلیم



کے لئے ہے اور اس کا درجہ ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد کا ہے حالانکہ مدارس عربیہ کا ابتدائی تعلیمی شعبہ ایسے ہی دینی فرائض کی تعلیم پر مشتمل ہے جن کا سیکنا ہر شخص پر فرض و واجب ہے اس ابتدائی شعبہ کے بعد اوپر کے شعبوں تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس تکمیلی شعبہ میں ایسے علوم و فنون کے سیکنے کا موقع آتا ہے جن کا سیکنا علوم دینیہ میں مہارت اور نفع پیدا کرنے کے لئے اس قدر فرض کفایہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم ابتدائی دینی ضرورتوں اور بعد کی تکمیلی ضرورتوں کا جامع نصاب ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے ابتدائی شعبہ کی تعلیم کا انتظام ایسا علم کر دیا جائے کہ کوئی شہر کوئی بستی اور کوئی پتھر اس کے حاصل کرنے سے محروم نہ رہ سکے اس ابتدائی شعبہ یعنی قرآن پاک اور ہمیشتی زیور وغیرہ کی تعلیم کا انتظام ہر گھر میں بچیوں کے لئے بھی لازم ہے کسی محرم مرد باپ بھائی وغیرہ یا ایسی عورت کے ذریعہ جو تہ آن پاک اور ہمیشتی زیور وغیرہ پڑھے ہوئے ہوں یہ انتظام کیا جاسکتا ہے تاکہ بچیوں کو بھی فرائض شرعیہ اور ابتدائی دینی ضروری معلومات حاصل ہو سکیں۔ یہ ہے وہ جامع طریق کار جس سے پورے ملک میں ہر بالغ لڑکا لڑکی دین کی ضروری معلومات کا علم اپنے مقامات پر رہتے ہوئے بھی آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے اور دین کی تکمیل علم کے لئے اپنے قریب و جوار کے بڑے دینی مدارس عربیہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اس درجہ کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے جو درجہ علم کا فرض عین ہے اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہر شہر ہر بستی ہر محلہ میں مقامی طور پر ہونا ضروری ہے

**دین کی ضروری تعلیم حاصل کرنے کیلئے دوسرے مقامات پر جانا**

**اور دین کی تعلیم کا انتظام کرنا**

اگر کسی مقام پر ایسا انتظام نہیں ہو سکتا تو پھر دوسری جگہ سے ضروری علم حاصل کرنے

کے بعد اپنے مقام پر واپس آکر دوسروں کی ضروری تعلیم میں مشغول ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت مرکز علم میں علم حاصل کرے۔ پھر اپنے مقام پر واپس آکر اس فرض تعلیم کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے آیت کریمہ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے اور صحابہ کرام کے عمل میں بھی اس کے بکثرت نظائر و شواہد موجود ہیں۔ اصحاب صفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں دور دراز مقامات سے علم دین حاصل کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے اور علم حاصل کرنے کے بعد اپنے مقامات پر تعلیم کا فرض انجام دیتے تھے پھر ہونے کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ دوسرے مقامات کے لوگوں کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا مگر راستہ میں ان کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ نیز زمین کی طرف حضرت ساذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کو فاضل اور معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔

## حضرت عمرؓ کی خلافت میں تعلیم کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا کہ نئی فتوحات کے مقامات پر ائمہ مساجد اور مؤذنین کے تقرر کے بعد ان کے ذمہ دہان کی دینی تعلیم کا فرض عائد فرماتے شام کے بڑے بڑے شہروں فلسطین، دمشق، حمص میں حضرت ساذ ابن جبلیؓ حضرت ابو الدرداءؓ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو دینی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور یہ حضرات اپنے اپنے مقامات پر قرآن و سنت کی تعلیم میں آخر وقت تک مصروف و مشغول رہے اور ہزاروں بندرگان خدا کو علم و معرفت سے آشنا کر دیا، یہی طریقہ مدارس دینیہ میں مروج ہے کہ بڑے مدارس سے علوم دینیہ حاصل کر کے دوسرے مدارس میں بطور مدرس اور معلم کے تقرر ہوتے ہیں اور بعض کا بطور ائمہ مساجد اور خطباء کے تقرر عمل میں

آتا ہے اور وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں تعلیم اور تبلیغ عام و عطا و نصیحت کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس طریقہ کا سنت ہونا بھی سیرت نبوی اور سیرت صحابہ سے اوپر ثابت ہو رہا ہے اس لئے دین کی تعلیم و تعلم کے لئے جلت پھرت اور دوروں اور چلوں ہی کو مسنون سمجھ لینا اور دینی مدارس کے طریقہ تعلیم و تبلیغ کو سنت کے خلاف سمجھ لینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے حضرت عمرؓ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے۔ جن میں قرآن مجید اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء صحابہ، اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ مدرسین و معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں۔" (الفاروق ج ۲ ص ۱۸۴)

نیز لکھا ہے :-

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا گیا اور مسلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہیں تھیں۔ مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے۔ ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم و تقریباً چار تولہ چاندی) ماہوار تھی۔ خانہ بدوش بدوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائلیں میں پھر پھر کہ ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد نہ ہو۔ اس کو سزا دے مکاتب میں لکھا بھی سکھایا جاتا تھا۔" (الفاروق ج ۲ ص ۱۸۵)

"صحابہ کرام میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت کے زمانہ میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ مساذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابویوش، ابوالدرداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ

لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیکھیں ابو ایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بہادر تھے اس لئے جا نہ سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو حصوں میں ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا۔ عبادہ نے وہیں قیام کیا اور ابوالدرداء دمشق اور مساذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ مساذ بن جبل نے طاعون عمارس میں وفات پائی۔ لیکن ابودرداء حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے ابودرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا، کہ صبح کو نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے، گد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا ابودرداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھانے خود بیٹھ جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگانے رہتے تھے جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابودرداء خود اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے ایک دن ابودرداء نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب ان کے حلقہ تعلیم میں موجود تھے۔" (الفاروق جلد دوم ص ۱۹)

حضرت عمر نے تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے مثلاً عبدالرحمن ابن مغفل کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ مجاہد ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ عمران ابن حصین جو بڑے زتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔ وكان ممن بعثهم عمر ابن الخطاب الى اهل بصره ليفقههم يعني يران لوگوں ہیں ہیں جن کو حضرت عمر نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا عبدالرحمن ابن غنم کے حال میں طبقات الحفاظ میں

لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی جب شام فتح ہوا تو حضرت عباہ ابن صامت معاذ ابن جبل، ابو درود، کو شام بھیجا تھا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں جلال الدین سیوطی نے حسن المصاحف میں لکھا ہے کہ حیان بن ابی جہد کو حضرت عمرؓ نے مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ابن جوزی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہاء کی تنخا میں بھی مقرر کیا تھیں اور حقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا اس میں معاذ ابن جبل، ابو درود، عباہ ابن صامت، عبدالرحمن ابن عثم، عمران ابن حصین، عبد اللہ ابن منفعل، تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی لحاظ کی کہ عملاً ہر شخص تعلیم مسائن کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دینے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق ہو چکا تھا۔ (الفاروق جلد دوم ص ۱۹۳)

### عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تعلیم کا اہتمام :-

مکی دور میں :- خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کی بارہ سالہ کی زندگی میں اگرچہ صحابہ کرام پر سات دن حراش و انکار کا نجوم رہتا تھا مگر ایسے نامساعد حالات میں قرآن پاک کی تعلیم کا خصوصی اہتمام مکہ مکرمہ میں کیا گیا تھا چنانچہ دار ارقم کے متعلق ارباب سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس صحابہ کرام کے ساتھ اس مکان میں قیام پزیر تھے اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت ابوبکر، حضرت حمزہ، حضرت علی وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اسی مدرسہ دار ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہے تھے اسی مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کے حضرت ابن ارت، حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ کے مکان پر قرآن کی تعلیم دینے جایا کرتے تھے اور شیب ابی طالب جس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ شبہ نبوی سے مندر نبوی تک محصور رہے وہاں تعلیمی سلسلہ جاری رہا اس کے نتیجے میں فضلاء کی ایک جماعت قائم ہو گئی اور دوسرے مقامات پر بھی وہ تعلیم کا کام انجام دینے لگی۔

مدنی دور میں :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت مدینہ سے بھی پہلے مدینہ منورہ میں حضرت مصعب ابن عمیر کو روانہ فرمایا انہوں نے سعد ابن زرارہ کے مکان پر تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ جاری فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کئی مسجدوں میں قرآن پاک کی تعلیم کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ مسجد بنی زریق حضرت رافع بن مالک اور مسجد بنی بیاضہ میں حضرت سعد ابن زرارہ اور دار سعد بن خثیمہ نیز بنی سجار، بنو عبد الاشہل، بنو ظفر اور بنی عمران عوف وغیرہم کے مکملوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی تعلیمی مدارس اور مراکز قائم ہو چکے تھے اور مدرسہ قبا کا تو ایک مستقل نظام تھا چونکہ ابتداء میں مہاجرین عموماً قبا ہی میں قیام پذیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی اور جرحہ شریفہ کی پشت پر جانب شمال باب جبرئیل اور باب النساء کے درمیان ایک وسیع چبوترہ پر طالب علموں کا نجوم رہتا تھا تمام اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے، اسی جامعہ صفہ کے فاضلین قرآن کہلاتے تھے یہی حضرات باہر تیلی خدمات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم و اشاعت کا وہی طریقہ اختیار فرمایا اور شہر شہر وغیرہ میں تعلیم دینے کے لئے معتمدین کے تقرر کا انتظام و اہتمام فرمایا جس کا وہ عہد نبوی میں مشابہہ کر چکے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے کتاب و مدارس کے اجراء اور قیام کا خصوصی طور پر انتظام و اہتمام فرمایا جاتا تھا اور مکہ شریف اور مدینہ شریف کے محلہ در محلہ مدارس دینیہ کے قیام کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی قرآن اور معلمین کو درس و تدریس کے لئے

معین فرما کر بھیجا جاتا تھا اب بھی اگر اسی آزمودہ اور مجرب طریقہ کار کے موافق ہر ہر شہر اور ہر بستی میں مزدوری و بی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے تو اُمت کی عمومی اصلاح کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام کے اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور نبوی طریقہ تعلیم و تبلیغ کے موافق دوسروں کی تربیت و اصلاح کرنے کی ہمت عطا فرمائے آمین

والصلوة والسلام علی سیدنا و مولانا محمد الیصطفیٰ و علیٰ آلہ  
المجتبىٰ واصحابہ المرقتضیٰ۔

سید عبدالشکور ترمذی عنق منہ

مہتمم مدرسہ عربیہ حفانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا  
۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ۲۶ جنوری ۱۹۸۰ء



دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں

ہمارا طرز عمل

یعنی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے طریق دعوت و تبلیغ کی توضیح و تشریح

انرا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی



دین کا دوسرا حصہ وہ ہے کہ اس میں نفسی شے مطلوب ہے لیکن بہت سی محنتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (زمانہ کی تعریف اور راحت کے لئے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں۔ صرف شے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے یہ چیزیں جو خود منصوص ہیں۔ لیکن ان کی کوئی خاص وضع مخصوص نہیں (مثلاً) جہاد فی سبیل اللہ دعوت الی اللہ علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام شریعہ کا اُمت تک پہنچانا، یہ سب اُمت سے مطلوب ہے اگر اُمت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کرے تو وہ گنہگار ہوگی۔

صرف یہ اعمال مقصود ہیں۔ ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ سمیٹ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس بارے میں اُمت کی عقل پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے (مثلاً) دعوت منصوص ہے ملکیت اس کی کوئی خاص سمیٹ منصوص نہیں غیر منصوص بالوضع کی وضع مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس نہ ہو تو کوئی لباسی سائز ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، نفاخ اور تکیہ کا لباس نہ ہو کوئی حلیم و ناجائز (مثلاً) مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں۔ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں۔ اس میں اُمت کیلئے بہت سی سہولتیں ہیں۔ اس کو اُمت کی تیز وار عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے، مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی لطافت بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں۔ مگر ان کا کوئی خاص طریقہ مطلوب نہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مینار سے مساجد کے لئے شرائط نہیں تھیں۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دینار و کارواج ہے، اجزازہ و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد بیت اللہ، کا کوئی مینار نہیں۔

دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں

## ہمارا طرز عمل

صورتِ حال یہ ہے کہ جہاں ہمارے فقائے کار دعوت اصلاح و تبلیغ کا کام کرتے ہیں وہاں پہلے سے کچھ دینی ادارے موجود ہوتے ہیں اور اکثر جگہ کوئی دینی تحریک بھی ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے لئے غور و فکر کرنے اور ایک اصول طے کر لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا رویہ عام دینی اداروں اور تحریکوں کے ساتھ کیا ہو۔

سب سے پہلے ایک اصول بیان کیا جاتا ہے جس سے ایسے مواقع پر ہمیں رہنمائی حاصل ہوگی اور وہ ایک مستقل معیار کا کام دے گی جس سے ہم اپنا طرز عمل اور رویہ معین کر سکیں گے۔ دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دونوں کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص سمیٹ و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی سمیٹ و شکل مطلوب ہے اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص سمیٹ و صورت کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (مثلاً) اراکات دینی اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں (مثلاً) نماز، حج، وضو، وغیرہ

اب دعوتِ الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے۔ انفرادی ہو یا اجتماعی تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں **قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَدْعُوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَ نَهَارًا**۔ حضرت نوحؑ نے دعوتِ اللہ کی باگاہ میں (کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی۔ **ثُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْتُهُمْ جَهَارًا**۔ پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا۔ **ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اَسْرَارًا**۔ پھر میں نے باعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی لہذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی تحریک کا جو طرز مناسب سمجھے وہ اختیار کرے اس میں کسی کو جواز اور ناجواز رکھنے یا کوئی حد ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس وقت عام طور پر دین کے ان دونوں حصوں کو غلط غلط کیا جاتا ہے۔ مخصوص کو غیر مخصوص کا درجہ دیا جاتا ہے اور غیر مخصوص کو مخصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور تحریکوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو گئی۔ اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ سب کو بلانا تنازعوں کا سدباب ہو جائے گا اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پہلا قدم ہے۔ ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور غلطانہ ذہنی تحریکوں، ذہنی اداروں کے میدان تقابل، تصادم اور اختلافات کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز

ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد ظاہر ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں۔ دعوتِ الی اللہ کی شکل اور طرز میں ہر جماعت اور ادارہ آزاد ہو۔ اس کو کسی خاص شکل یا طرز پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسے کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا پابند نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول و آداب کے مخالف نہ ہوں) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو بہتر اور اجبار دین کے لئے مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے ہم اپنی طرز کار کو دوسری تحریکوں اور اداروں کے داعیوں کے سامنے بہتر طریقہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار اور کسی گناہ کا ترکیب سمجھیں تو ہم غلطی پر ہیں۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کے ساتھ ایک گناہ فرقہ کا ساملا کرنا، ان کو جاہل اور گمراہ سمجھنا غلط اور نفرت ہماری اس ذہنی تحریک و دعوتِ اصلاح و تبلیغ کا ایک خاص طرز ہے۔ اس میں تبدیلی گشت ہے، اجتماعات ہیں، ذکر اللہ پر، اگر امام مسلم پر، اور ترک لاجبی پر زور ہے، اور دین کے لئے گھر سے نکلنے اور وقت اور عادات و مالومات کی قربانی کی ترغیب ہے وغیرہ وغیرہ ان میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ (مثلاً) اگر امام مسلم، ذکر اللہ کی کثرت، ترک مال یعنی وغیرہ لیکن بعض چیزیں (مثلاً) گشت اجتماعات وغیرہ ہیں جو انتظامی امور ہیں، یہ حدیث و قرآن سے استنباط کئے جاسکتے ہیں جو اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گی لیکن خاص اس ہیئت میں ہی ملیں گی۔ یہ سب چیزیں اجتماعی اور تجربی ہیں ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے مخصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدالی ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے

ہم صاف کہتے ہیں کہ یہ بالکل اسکاں ہے کہ پچیس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور ہمارے اس طریقے میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک جاہد طبقہ اس کی مخالفت ہمارا نام لے کر محض اس بنا پر کہے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا اس کا اصرار ہٹ دھری ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں مسوس ہونے ہے کہ ہماری اس تحریک میں بھی ایک طبقہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طریقہ دین کی خدمت اور جہاد کے لئے ہمیشہ کے لئے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے جب تک اس مخصوص طریقہ پر تفریق نہ ہو، اسی خاص ڈھنگ پر ان ہی ساری پابندیوں پر گشت نہ ہو اور اجتماعات میں منفرہ طریقہ سے دعوت نہ دی جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا۔ یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے اس لئے کہ اسی طرز عمل کی وجہ سے مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک عقیدہ اور عقربوں نے ہمیں بیان تک پہنچایا ہے کہ ہر تقریر کے بعد جہاد و عمل کی دعوت ضرور دی جائے۔ ہر بستی میں ایک مرکزی اجتماع ضرور ہو۔ رات کو مساجد میں قیام ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیے لیکن اگر ہفتہ کا اجتماع ہمارے شہر لکھنؤ کی نوچندی جموں کی طرح ہر ایک رسم بن جائے رات کا قیام رت جنگا کی طرح رکھی ہو جائے اور دین کے کام کے لئے چلنا ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کی بانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ ان کے خلاف جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں۔ لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے موقع پر حقیقت و رسم سنت و بدعت، فرض و مباح میں تفریق کرنا تقاضا

فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے سچ اگر حفظ مراتب نہ کئی زندہ بقی۔

اگر ہماری تحریک کی بعض دینی تحریکیں یا ادارے مخصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے اور اپنی مخلصانہ مواد بیدار کے مطابق کسی طرز پر کلام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ان کو کامیابی کی دعائیں بھی چاہئیں اور ان سے تعلقات بڑھانا چاہیے اسی لئے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے ہم کو یہ موقع دیا ہے کہ ہم ان دوسرے کاموں سے مطمئن ہو کر اپنا کام کریں۔ حضرت مولانا الیاس مدرس کے لئے دعائیں کرتے تھے اور اپنے خاص مجاہدین کو ان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے بہت سے مدارس کی آمدنیاں اس تبلیغی تحریک کی وجہ سے بڑھ گئی تھیں مولانا اپنے اہل تعلق کو اس کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے کہ علماء کی ملاقات کے لئے جایا جائے اور ان سے تعلقات بڑھانے چاہئیں اور ان کے حقوق (اکرام و محبت اور تعاون) ادا کئے جائیں۔

یہاں ایک باہر ایک بات سمجھیں وہ یہ ہے کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مہذب اور مصلح ہوتا ہے نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے اتباع کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی مدارات یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے لیکن مہذب دین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مہذب اور ہر بانی مصلح کے طریقے کی پیروی دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ مثلاً کسی مہذب کے طریقے سے قرآنی کے جذبات بڑھتے ہیں لہذا اس کے طریقوں کی پیروی سے قرآنی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مہذب کے طریقے سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے مہذب کے طریقے سے (مثلاً) صفائی معاملات میں سچائی آتی ہے تو صفائی معاملات کے سلسلہ میں اس

سے تعلق اور استفادہ خاص طور پر موثر ہوگا۔

بہرحال نبی کے طریقہ پر توجیحات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم ہوتا ہے لیکن کسی مجدد اور صلح کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کے اتباع اور ان کے ساتھ وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔ ایک بات یہ بھی ہونی چاہیے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے۔ اذنان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے۔ کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ایک واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے فہم ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا، جب تک کہ شخص انہیں مخصوص طرز پر کام نہ کرے اور سب ایک ہی کام کرنے لگیں۔ حالانکہ عمومی و انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چرکھٹے پر بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ دوسروں سے ممتاز ہے اور جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے۔

ہم کو تو دوسری دینی کوششیں اور ان کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور

کچھ اسی راستہ سے آجائیں۔ اور اپنے طریقہ کار کو مناسب طریقے سے ان کے سامنے اکثر پیشتر پیش کرتے رہنا چاہیے لیکن اس طرح نہیں کہ وہ سمجھیں کہ یہ ہمارے درپے ہیں اور ہاتھ دھو کہ ہمارے پیچھے ہی پرگئے ہیں۔ نذ ان کے سامنے آپ اپنی دینداری کا اظہار کریں اس طرح آپس کے تنازعات ختم ہو جائیں گے ایک دوسرے کی طرف دل صاف ہو جائیں گے۔ اور امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البر و التقویٰ کرنے کی اور خدا ترسی پر ایک دوسرے کی امداد کی استعداد پیدا ہو جائیں گی جو عرصہ سے مفقود ہو چکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں اور حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل میں کُلِّ حَدَابِ یَسْلُوْنِ ہر ٹیلے اور ٹاپوں سے (اے چنے آ رہے ہیں) کا مصداق ہیں اسخت ضرورت ہے۔

(الفرقان مکتوبہ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ)

